ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

ترجمہ اُردو و نکات تفسیریہ پارہ اٹھائیسواں

حقائق القرآن

فرمودہ

حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفہ ثانی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

نوشتہ

منشی غلام نبی صاحب ایڈیٹر "الفضل" قادیان دارالامان

خاکسار محمد نامل احمدی بھاگلپوری تاجر کتب قادیان نے اسلامیہ سٹیم پریس لاہور میں
باہتمام حافظ مظفر الدین چھپوا کر شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ حال

قرآن کریم کی تفسیر اور پھر حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی فرمودہ تفسیر ہماری جماعت کے لئے بڑی نعمت ہے۔ اس کے متعلق مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ مَیں نے محض خدا تعالیٰ کے فضل اور اُس کی توفیق سے اس نعمت کو احباب تک پہنچانے کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کے فرمودہ درس قرآن کو کتاب کی شکل میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ یہ اٹھائیسویں پارہ کی تفسیر ہے۔ جس کا ایک ایک لفظ حضور کی زبان مبارک سے نکلا ہوا ہے۔ البتہ آیات کے لفظی ترجمہ کا اضافہ احباب کی سہولت اور آسانی کے لئے کرا دیا گیا ہے۔ ا
باوجود اس کے کہ آج کل لکھائی چھپائی اور کاغذ کی سخت گرانی بلکہ کمیابی ہے۔ تاہم اعلیٰ درجہ کے کاغذ
عمدہ لکھائی چھپائی کے ساتھ یہ ہدیہ احباب کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ اور اخراجات کے مقابلہ میں قیمت بہت کم رکھی گئی ہے یعنی اعلیٰ درجہ کے چکنے ولایتی کاغذ پر ۱۲ر اور دیسی کاغذ پر ۸ر۔ اُمید ہے احباب اس نعمت کی خاص طور پر قدر منزلت کریں گے۔ اور خاکسار کو بہت جلدی اس قابل بنا دیں گے کہ مَیں حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کی فرمودہ تفسیر پارہ اُنتیس و تیس جو اس سے بھی زیادہ مکمل ہے پیش کر سکوں جس کا مصالحہ بہم پہنچا لیا گیا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے فضل سے اُمید ہے کہ پارہ اُنتیس و تیس بھی جلدی تیار ہو جائیں گے۔ احباب انکی خریداری کی درخواستیں میرے پاس بھیجدیں تاکہ شائع ہونے پر فوراً اُن کی خدمت میں بھیجے جائیں۔ والسلام

خاکسار

محمد عامل تاجر کتب قادیان دار الامان۔ ۱ اپریل سنہ ۱۹۲۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

سُورَۃُ المُجَادَلَۃ

رکوع اوّل

(۲۔ اپریل سنہ ۱۹۱۴ء)

بعض غلطیاں بظاہر نہایت معمولی معلوم ہوتی ہیں لیکن چونکہ ان کے نتائج بہت خطرناک ہوتے ہیں۔ اس لئے شریعت نے ایسی غلطیوں کی سزائیں بہت سخت مقرر کی ہیں۔ اگر کوئی شخص ان غلطیوں کا مقابلہ دُنیا کے دوسرے جرائم سے کرے۔ تو وہ بہت کم درجہ کی معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن اگر ان کے انجام پر غور کیا جاوے اور ان کے نتیجوں پر نظر دوڑائی جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ واقعی وہ بہت بڑے گناہوں کا درجہ رکھتی ہیں۔ اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ ایک عورت کا واقعہ بیان فرماتا ہے کہ وہ اپنے خاوند کے متعلق رسول کریم سے گفتگو کرتی اور شکایت کرتی تھی کہ میں سوائے اللہ کے اور کسے کہوں۔ رسول کریم نے اس کی گفتگو کو سنکر اس وقت تک کچھ نہیں فرمایا جب تک کہ خدا تعالےٰ نے اس کی بات کا فیصلہ نہیں کر دیا۔ انبیاء کی بڑی پاک فطرت ہوتی ہے وہ خود کسی بات کا اسوقت تک کبھی فیصلہ نہیں کرتے جب تک کہ خدا انہیں علم نہ دے۔ آج کل لوگ ہر ایک بات کا خواہ وہ اسے سمجھتے بھی ہوں یا نہ۔ بڑی جرأت سے فیصلہ کر دیتے ہیں اور یہ کبھی نہیں کہتے کہ ہمیں اس بات کا علم نہیں۔ لیکن انبیاء کا طرز بالکل اس کے برعکس ہوتا ہے +

دیکھو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم خود شراب نہیں پیتے تھے لیکن بعض صحابہ پیتے تھے۔ آپ نے اُن کو اس وقت تک منع نہیں فرمایا جب تک کہ خدا کا حکم نہیں آیا۔ آپ جانتے تھے کہ خدا ابھی تو ان کو دیکھتا ہے جب وہ منع نہیں کرتا تو میں کیوں منع کروں +

پھر پردہ کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے بحث مباحثہ کرتے ہی رہے۔ لیکن آپ نے اُسوقت تک کوئی فیصلہ نہ فرمایا۔ جب تک کہ خدا کا حکم نہ آیا۔ آپ کو مکہ میں بہت بڑی تکالیف کا سامنا ہوا۔ کئی دفعہ جان پر حملے ہوئے سب طرح کی تکلیفیں اُٹھانی پڑیں۔ بہت سے صحابہ مکہ کو انہی تکالیف کی وجہ سے چھوڑ گئے لیکن آپ نے اس وقت تک ہجرت کرنے کا نام تک نہ لیا جب تک کہ خدا تعالےٰ نے جانے کے لئے نہیں کہا +

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو میں نے دیکھا ہے جب تک خدا کی طرف سے کوئی حکم نہ آتا۔ اس وقت تک کسی بات کے متعلق کچھ نہ فرماتے تھے لیکن جب کسی بات کے متعلق الہام ہوتا تھا تو کسی بڑی سے بڑی تکلیف کی بھی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس کو شائع کر دیتے تھے۔ سعد اللہ کے متعلق جو الہام تھا۔ اسکے نہ شائع کرنے میں ایک شخص نے بہت زور لگایا کہ مقدمہ ہو جائے گا۔ مصیبت آجائے گی۔ یہ ہوگا۔ وہ ہوگا۔ لیکن آپ نے کچھ پروا

نہ کی اور فرمایا کہ یہ خدا کا نشان ہے میں اسے چھپا نہیں سکتا۔ آخر آپ نے اسے ابتر لکھ ہی دیا اور وہ کتاب شائع ہونے سے پہلے ہی مر گیا۔ پھر اسوقت جبکہ خدا تعالےٰ نے بذریعہ الہام آپ کا نام عیسیٰ رکھا۔ حضرت عیسیٰ کا آسمان سے نازل ہونا لکھا لیکن جب خدا نے علم دیا تو جھٹ لکھ دیا کہ عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں اور جس عیسیٰ کے آنے کا انتظار تھا وہ میں ہی ہوں۔ آپ پہلے لکھتے رہے کہ میں نبی نہیں ہوں میں نبی نہیں ہوں حالانکہ الہامات میں یہ لفظ موجود تھا۔ لیکن جب خدا کی وحی بارش کی طرح نازل ہوئی تو لکھا کہ میں نبی ہوں۔ اور یقیناً نبی ہوں۔ خلیفۃ المسیح اول علیہ السلام کے صاحبزادے عبدالحی کی نسبت مسیح موعود کو الہام میں دکھایا گیا تھا کہ اس کے جسم پر پھوڑے ہونگے۔ ان پھوڑوں کی دوائی بھی بتائی گئی جس کا ایک جزو ہلدی تھا۔ لیکن دوسرا جزو حضرت صاحب کو یاد نہ رہا۔ جب میاں عبدالحی کے جسم پر پھوڑے ہوئے اور ہلدی لگانے کے لئے حضرت صاحب سے پوچھا گیا۔ تو فرمایا میں نہیں کہتا کہ ہلدی لگائی جائے۔ کیونکہ اس کے ساتھ کی دوسری دوائی یاد نہیں رہی لیکن مولوی صاحب نے ہلدی لگا دی جس سے اور زیادہ تکلیف بڑھ گئی +

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر یہ سوال عورت نہ اُٹھاتی تو اس امر کے متعلق یہ حکم بھی نہ اُترتا۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ قرآن شریف اس وقت کی وقتی ضروریات کے لئے اُتارا گیا تھا۔ جو بات اُس وقت حل طلب ہوئی۔ اس کے متعلق حکم نازل ہو گیا۔ اسلئے قرآن شریف کے احکام ہر ایک زمانہ کے لئے کارآمد نہیں ہوسکتے اس کا جواب یہ ہے کہ اگر قرآن شریف میں تمام قسم کی ضروریات کا علاج اور تمام روحانی ترقیات کی باتیں اور ہر ایک قسم کے احکام موجود نہیں ہیں تب تو یہ اعتراض ہو سکتا ہے۔ لیکن جبکہ سب کچھ موجود ہے تو پھر یہ اعتراض بالکل لغو ہے۔ قرآن کریم کے ایسے احکام جو کسی واقعہ پر نازل ہوئے ہیں۔ ان کے اس طرح اُترنے کی کئی ایک وجوہات ہیں۔ اوّل یہ کہ کوئی بات آسانی سے اُس وقت تک سمجھ میں نہیں آسکتی جب تک کہ مثال سے نہ سمجھائی جائے اس لئے ایسے ایسے واقعات جو صحابہ کی زندگی میں پیش آئے۔ اور جن کا پیش آنا ہر زمانہ میں ضروری تھا ان کے متعلق احکام کو اسی وقت نازل فرما دیا جبکہ وہ پیش آئے تاکہ لوگ زیادہ آسانی سے ان کو سمجھ سکیں۔ دوم یہ کہ ان لوگوں کی چونکہ عزت افزائی منظور تھی

اس لئے ان کے حالات کو قرآن شریف میں جگہ دی جہاں [illegible] تک قائم رہیں گے۔ خدا کے پیارے بندوں کی اسی طرح عزت افزائی ہوتی ہے۔ کسی پر وحی نازل فرما دیتا ہے اور کسی کا ذکر [illegible] میں کر دیتا ہے +

ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا۔ اسکے ایک معنی تو یہ ہیں کہ جو کچھ [illegible] کیا تھا۔ اس کی اصلاح کرتے ہیں اور دوسرے یہ کئے گئے ہیں کہ ایک دفعہ [illegible] پھر دوبارہ کہیں جیسا کہ اسی سورۃ کے دوسرے رکوع میں يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ آیا ہے۔ حدیث سے پہلے معنوں کی تصدیق ہوتی ہے +

اس سورۃ میں اپنی عورت کو ماں کہنے والے کے لئے خدا تعالےٰ نے جو سزا مقرر فرمائی ہے۔ اس کو دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ جبکہ خود خدا فرماتا ہے کہ اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ (کہ وہ لوگ جو ظہار کرتے ہیں تم میں سے اپنی عورتوں سے۔ وہ ان کی مائیں نہیں ہو جاتیں) تو اتنی بڑی سزائیں کیوں مقرر کی ہیں +

اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ انسان کے جذبات خیالات کے ماتحت ہوتے ہیں اس لئے خیالات کا ظاہر کرنا جذبات پر بھی موثر ہوتا ہے۔ عورت ہونے کے لحاظ سے تو ماں بہن اور دیگر ایسی رشتہ دار جو بہت ہی قریبی ہوتی ہیں برابر ہیں۔ لیکن ایک بدکار آدمی کو انہیں دیکھ کر وہ جوش نہیں آتا۔ جو غیر عورت کو دیکھ کر آتا ہے۔ کیونکہ اس کے خیالات نے رشتہ دار اور غیر عورت میں فرق پیدا کر دیا ہوا ہے اس لئے اس کے جذبات بھی اس کے خیالات کے ماتحت اُبھرتے ہیں اگر بیوی کو ماں کہہ دینے پر کوئی سزا نہ دی جاتی تو نتیجہ یہ پیدا ہوتا کہ رفتہ رفتہ ماں اور دیگر محرمات کی وہ عزت نہ رہتی جو بصورت دیگر انسان کے دل میں ہوتی ہے کیونکہ جو انسان ایک عورت کو ماں بھی کہے اور اس سے ہم صحبت بھی ہو تو اس کے دل میں ماں کی کیا عزت رہے گی۔ پس اس جرم پر سخت سزا مقرر فرمائی تا گھروں میں زنانہ پھیل جائے +

ظِھَار گو صرف بیوی کو ماں کہنے کا نام ہے لیکن دوسری محرمات بھی اس میں شامل کر لی گئی ہیں +

كُبِتُوْا۔ پچھاڑے جائیں گے۔ رسوا کئے جائیں گے۔ ان کے منہ پھیر دیئے جائیں گے۔ وہ ذلیل کئے جائیں گے +

عَذَابٌ مُّهِيْنٌ۔ جب ان میں ماں اور بہن کی بھی عزت نہ رہیگی تو ان کو ذلیل کرنے والا عذاب دیا جائے گا۔ کیونکہ محسوسات صالحہ کے

محفوظ نہ رکھنے سے قوم میں زنا پھیلے گا جس کا نتیجہ لازمی طور پر ذلت اور رسوائی ہوتا ہے ✚

أَحْصٰهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ

گن رکھا اللہ نے اور وہ اسے بھول گئے

کوئی انسان اپنے گناہ نہیں گن سکتا۔ لیکن خدا نے گن رکھے ہیں انسان روز گناہ کرتا ہے۔ مگر گننے لگے تو گن نہیں سکتا جب خدا تعالیٰ سزا دیتا ہے تو سب گناہ مدنظر رکھ لئے جاتے ہیں ✚

رکوع دوم

(مورخہ ۴۔ اپریل سنہ ۱۹۱۴ء)

اس سورۃ میں خدا نے چند ایسے احکام بیان فرمائے ہیں جن سے جھگڑے اور فساد کی جڑ کٹ جاتی ہے اور ایسی باتوں سے منع فرمایا۔ جن سے فساد پیدا ہوتا ہے ✚

(۱) اس گندے رواج سے (جو عرب میں تھا اور اب بھی پنجاب اور ہندوستان میں ہے کہ بیوی کو ماں کہہ بنا) جس سے زنا پھیلنے کا احتمال تھا۔ اور میاں بیوی میں تعلقات محبت نہیں رہ سکتے تھے

(۲) خفیہ مجلسیں۔ مشورے۔ سوسائٹیاں اور انجمنیں بنانے سے۔ کیونکہ ان کا نتیجہ بھی بہت گندہ نکلتا ہے ✚

خفیہ مجلسوں کے متعلق لوگوں نے غور نہیں کیا کہ ان کے کیا معنے ہیں۔ زمانہ حال میں ایک فریق کہتا ہے کہ خفیہ مجلسوں کے سوا ترقی ہو ہی نہیں سکتی۔ چنانچہ آجکل کی ہر ایک حکومت کی ایک خفیہ انجمن ہوتی ہے۔ جیسے انگلستان میں فریمسن لاج ہے ✚

دوسرا فریق کہتا ہے کہ کوئی بات بھی مخفی نہیں ہونی چاہیئے لیکن اصل مطلب کو ان دونوں نے نہیں سمجھا۔ مومن کا طریق اس کے بین بین ہے۔ اسلام نے بعض باتوں کے لئے خفیہ مشورہ جائز رکھا ہے اور بعض کے لئے ناجائز۔ اور چاہیئے بھی ایسا ہی۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض باتیں ظاہر نہیں کیجا سکتیں مثلاً میاں بیوی کے تعلقات کوئی ظاہر کر سکتا ہے؟ گورنمنٹ اپنے خفیہ راز ظاہر کر سکتی ہے؟ اگر ایسا کرے تو فوراً تباہ ہو جائے ✚

وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

اور خفیہ مشورہ کرتے ہیں گناہ کے لئے اور تعدی کے لئے

وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ

اور نافرمانی رسول کے لئے

ان باتوں کے لئے مشورہ کرنا منع ہے۔ لیکن نیک کاموں کے لئے خفیہ مشورہ کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ فرمایا وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى (اور مشورہ کرو نیکی اور تقوی کے لئے) ✚

حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ

اس کے کئی معنی ہیں۔ اول یہ کہ یہودیوں کا طریق تھا کہ جب رسول کریم کے پاس آتے تو السام علیک کہتے ایک دن جب یہ کلمہ کہا گیا۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا علیکم السام و اللعنۃ۔ رسول کریم نے ایسا کہنے سے منع فرمایا۔ حضرت عائشہ نے کہا کیا آپ نے نہیں سمجھا کہ انہوں نے گالی دی ہے۔ آپ نے فرمایا میں نے بھی تو یہی کہا کہ علیکم بس یہی کافی ہے ✚

دوم یہ کہ ایسی تعریفیں کرتے ہیں جو خدا نے بھی نہیں کیں۔ یہ منافق لوگوں کا کام تھا۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے۔ تو اپنی محبت اور عقیدت جتلانے کے لئے بہت بڑھ بڑھ کر باتیں کرتے۔ اور اپنے نفاق پر پردہ ڈالنے کے لئے حقیقت سے بھی بڑھ کر تعریفیں کرتے جیسے خوشامدیوں کا طریق ہوتا ہے ✚

تَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى

خفیہ مشورہ کرو نیکی اور تقوی کے لئے

خفیہ مشورہ کرنے کا طریق بیان فرمایا۔ کہ اگر ایسا مشورہ کرو۔ تو نیک کاموں کے لئے کرو۔ دوسرے مقام پر فرمایا اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ✚

فَافْسَحُوْا۔ مجلس میں بیٹھے ہوئے ہونے کے وقت کسی کے لئے جگہ چھوڑنے کا معاوضہ یہ فرمایا کہ اللہ اس کو کشایش بخشے گا۔ مجلس میں بعض آدمی ایسے آتے ہیں جن کا لحاظ کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے اگر ضرورت پڑے تو خوشی سے جگہ چھوڑ دینی چاہیئے ✚

ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ

یہ اچھا ہے تمہارے لئے

اس کا مطلب یہ ہے کہ صدقہ مستحب ہے۔ دیدو تو اچھا ہے اگر نہ مل سکے تو خیر ✚

وَتَابَ اللّٰہُ عَلَیْکُمْ

اور آسانی کرچکا ہے اللہ تمہارے لئے

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت کے لئے تھی اب منسوخ ہو چکی ہے لیکن اگر اس وقت کے لئے تھی تو قرآن میں کیوں درج ہوئی +

کوئی مشورہ کرنے سے پہلے صدقہ دینا چاہیئے بعض صوفیاء تو یہاں تک محتاط تھے کہ حدیث سے کوئی مسئلہ حل ہونے پر بھی صدقہ دیتے تھے۔ کیونکہ یہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے مشورہ تھا پہلے گذر چکا ہے کہ صدقہ دینے والوں کو ایک خاص فہم اور نور دیا جاتا ہے۔ ان پر رُوحانی ترقی کے علوم کھُلتے ہیں۔ پس کسی علمی تحقیقات سے پہلے صدقہ دینا بہت مفید ہوتا ہے +

فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ

پس قائم کرو نماز کو اور دو زکوٰۃ

بعض صحابہ غریب تھے وہ صدقہ نہیں دے سکتے تھے۔ اس لئے فرمایا۔ کہ اپنی نمازوں اور فرض شدہ زکوٰۃ میں ہی تم زیادتی کرو +

رکوع سوئم

(مورخہ ۵۔ اپریل ۱۹۱۴ء)

ایک اور فساد سے اللہ تعالےٰ اس رکوع میں روکتا ہے۔ پہلے تین باتیں بیان فرمائیں (۱) ظہار سے منع کیا۔ (۲) بُرے کاموں کے لئے خفیہ مشورے کرنے سے روکا (۳) مجلس میں جگہ تنگ ہو اور کوئی شخص آجائے تو جگہ دینی چاہیئے ایسا نہ کرنے سے بعض لوگ بُرا مناتے ہیں۔ اب چوتھی بات یہ بیان فرمائی۔ کہ مغضوب علیہم سے دوستی نہ رکھو +

اس زمانہ میں یہ مرض بہت بڑھ گیا ہے۔ جسکی وجہ یہ ہے کہ بے غیرتی بڑھ گئی ہے اور دین کی محبت کم ہو گئی ہے۔ چونکہ دُنیاوی کاروبار کی حرص زیادہ ہوتی جاتی ہے اس لئے دین کے معاملہ میں بہت بے پروائی کی جاتی ہے۔ آجکل اگر کسی کے باپ یا رشتہ دار کو کوئی گالی دے تو مرنے مارنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ لیکن رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو جو لوگ گالیاں دیتے ہیں۔ اُن سے بجائے کسی رنجش کے دوستی رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فراخ حوصلگی سے پیش آنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کی ہتک۔ رسولؐ کی ہتک۔ آئمہ دین کی ہتک کے وقت تو کہتے ہیں کہ ٹھنڈے دل سے سُننا چاہیئے۔ اور اخلاق سے پیش آنا چاہیئے۔ لیکن جب ایسی بات ان کی ذات کے متعلق ہوتی ہے تو سب اخلاق وغیرہ بھُول جاتے ہیں۔ اگر اس بے غیرتی کا نام اخلاق ہے۔ تو ایسے لوگ ان اخلاق کو ذاتی معاملات کے وقت کیوں نہیں برتتے +

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی ذات کے متعلق بُرا بھلا سُنتے تو کچھ نہیں کہتے تھے لیکن جب دین پر زد پڑتی تھی۔ تو ہرگز برداشت نہ کرتے تھے۔ جنگ احد کا واقعہ اس کی تصدیق کرتا ہے۔ جب یہ بات مشہور ہوئی کہ مسلمانوں کو شکست ہو گئی ہے تو سارا لشکر بھاگ گیا۔ حالت بہت نازک تھی۔ زیادہ سے زیادہ چودہ آدمی باقی تھے۔ جن کا مقابلہ تین ہزار سے تھا۔ اور یہ بھی مشہور ہوا۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں۔ اس وقت ابوسفیان نے مسلمانوں سے پوچھا کیا تم میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ رسول کریمؐ نے فرمایا جواب نہ دو۔ پھر اس نے کہا ابوبکرؓ ہے۔ فرمایا جواب نہ دو۔ پھر کہا عمرؓ ہے۔ تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ ہاں میں موجود ہوں۔ پھر ابوسفیان نے کہا اُعْلُ ہُبَل اُعْلُ ہُبَل تو رسول کریم نے فرمایا۔ اب جواب کیوں نہیں دیتے صحابہ نے عرض کیا۔ کیا کہیں فرمایا تم کہو اَللّٰہُ اَعْلٰی وَاَجَلّ اللّٰہُ اَعْلٰی وَاَجَلّ۔ پھر اُس نے کہا لَنَا عُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ۔ تو رسول کریم نے فرمایا تم کہو لَنَا مَوْلٰی وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ دیکھو اپنی ہتک گوارا فرمائی۔ مگر خدا کی ہتک کے وقت ضبط نہ فرمایا +

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھی ایسے واقعات ہیں۔ ایک دفعہ آپ اسٹیشن پر اُترے۔ تو پنڈت لیکھرام نے پاس آکر سلام کیا۔ آپ نے کچھ جواب نہ دیا۔ اُس نے سمجھا کہ سُنا نہیں۔ پھر اُس نے دوسری طرف سے آکر سلام کیا۔ پھر بھی جواب نہ دیا۔ لوگوں نے سمجھا۔ کہ آپ نے پہچانا نہیں اور بتایا کہ یہ لیکھرام ہے۔ آپ نے غصہ ہو کر فرمایا اس کو شرم نہیں آتی۔ کہ میرے آقا کو تو گالیاں دیتا ہے اور مجھے سلام کہتا ہے +

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ تَوَلَّوْا قَوْمًا

کیا نہیں دیکھا تونے طرف اُن لوگوں کی جو دوستی رکھتے ہیں اس قوم سے

غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۖ مَا هُمْ مِّنكُمْ

ناراض ہوا اللہ اُن پر نہیں وہ تم میں سے

وَلَا مِنْهُمْ

اور نہ اُن میں سے

وہ لوگ جن سے خدا ناراض ہوگیا۔ کوئی کہتا ہے۔ اس سے مُراد یہودی ہیں۔ کیونکہ اُن پر غضب ہُوا۔ اور کوئی کہتا ہے کہ منافق۔ کیونکہ وہ کسی فریق سے نہیں ہیں انھوں نے دونوں باتوں کو ایک قوم پر چسپان کیا ہے مگر اس کے معنے یہ ہیں کہ اس قوم کو دیکھو جو مغضوب علیہم سے تعلق دوستی کا رکھتی ہے۔ یہ لوگ یعنے یہودیوں سے دوستی رکھنے والے نہ تم میں سے ہیں نہ اُن میں سے۔ دونوں قوموں سے اُن کی دوستی جھوٹی ہے۔ پس پہلا جملہ تو یہودیوں کے لئے ہے اور دوسرا منافقین کے لئے +

يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ ۚ

خیال کرتے ہیں یا کریں گے کہ وہ اوپر کسی چیز کے ہیں

خیال کریں گے یا خیال کرتے ہیں کہ ہم بھی کسی سچائی پر قائم ہیں آخرت کے متعلق بھی یہ ہو سکتا ہے کہ ہم نے خوب چکمہ دیا کہ انکار ہی کر دیا۔ اس لئے کامیاب ہو جائیں گے +

حِزْبُ۔ جماعت۔ لشکر۔ ہم خیال +

حِزْبُ الشَّيْطَانِ ۚ۔ ایسے لوگ جن سے شیطان کام لیتا ہے یعنی اُنکی وجہ سے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے +

كَتَبَ اللّٰهُ۔ مقرر کر دیا اللہ نے +

قَوِيٌّ عَزِيزٌ۔ قوی یعنے اللہ تعالےٰ طاقتور ہے عزیز یعنے بعض طاقتور کسی اور طاقتور سے مغلوب ہو جاتے ہیں۔ وہ مغلوب نہیں ہو سکتا بلکہ غالب ہے +

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ

راضی ہوا اللہ اُن سے اور وہ راضی ہوئے اس سے

یہ صحابہ کا خطاب ہے۔ جو اُن کو اس لئے ملا۔ کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے لئے باپ بیٹے بھائی اور سب کو چھوڑ دیا +

پس جو لوگ رضی اللہ عنہم کی سند لینا چاہتے ہیں اُن کے لئے ضروری ہے کہ صداقت کی خاطر اپنے رشتہ داروں کی بھی پروا نہ کریں۔ ہاں صلہ رحمی سے اسلام منع نہیں کرتا +

حِزْبُ اللّٰهِ ۚ۔ اللہ کے منشاء کے ماتحت کام کرنے والے۔ اللہ کا لشکر۔ اللہ تعالےٰ کی پیاری جماعت +

سُورَةُ الْحَشْرِ

رکوع اوّل

(۷۔ اپریل سنہ ۱۹۱۴ء)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ

تسبیح کرتے ہیں اللہ کے لئے جو بیچ آسمانوں کے اور جو بیچ زمین کے ہے

آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اللہ تعالےٰ کی تسبیح کرتا ہے قرآن شریف کا کوئی لفظ زائد نہیں ہوتا۔ اگر ایک لفظ دس جگہ آئے تو ہر ایک موقع کے مطابق الگ الگ معنی ہونگے سَبَّحَ لِلّٰهِ پہلے بھی آیا ہے۔ اور یہاں بھی آیا ہے۔ اس جگہ ایک قوم کا ذکر ہے جس کو سمجھایا گیا ہے کہ ہر ایک زمین و آسمان کی چیز خدا کی فرمانبردار ہے اور اس کو بے عیب ثابت کرتی ہے تسبیح کے ساتھ مَا کا لفظ فرمایا جو غیر ذوی العقول کے لئے آتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی تعداد زیادہ ہے اس لئے کثرت کی وجہ سے اسی لفظ کو استعمال فرمایا۔ اس میں انسان بھی آجاتے ہیں۔ خدا تعالےٰ کی تسبیح کی کئی قسمیں ہیں۔ (۱) علم میں (۲) قدرت میں (۳) حفاظت میں (۴) خلق میں۔ غرضکہ ہر ایک صفت میں اُس کی تسبیح ہو سکتی ہے۔ اس آیت میں عزیز الحکیم سے بتلایا کہ اس جگہ اس کی دو صفات کی تسبیح مراد ہے اور اسی کا ثبوت دیا جائے گا یعنے اللہ تعالےٰ کے غالب اور حکیم ہونے

کا ثبوت ہوگا ✚

هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ

وہی ہے جس نے نکالا اُن لوگوں کو جو کافر ہوئے

اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ

اہل کتاب سے اُن کے گھروں سے پہلے حشر کے وقت

ل کے معنے وقت کے ہیں۔ حشر کے معنے لوگوں کو جمع کرنا۔ حشر الناس جمعھم (۲) ملک سے نکال دینا (۳) حشر العود لکڑی کو چھیلنا۔ مرنے کے بعد کا حشر بھی تینوں معنوں سے ہے (۱) اکٹھے ہونگے۔ (۲) قبروں سے نکالے جائیں گے۔ (۳) جوابدہی کے وقت غم والم سے چھیلے بھی جائینگے۔ ایک حشر مرنے کے بعد بھی ہوگا۔ لیکن ان لوگوں کو دُنیا میں بھی حشر کر کے دکھا دیا۔ اس واسطے اوّل الحشر فرمایا (۲) یہود بڑی عزت سے مدینہ میں رہتے تھے۔ بنو نضیر قوم بڑی زبردست اور باعزت تھی۔ ان کو خدا نے سزا دینے کے لئے مدینہ سے نکلوا دیا۔ یہ گویا اُن کی پہلی ذلت تھی اس لئے اوّل الحشر فرمایا (۳) یہ جلاوطن ہو کر پہلے خیبر میں گئے۔ اور پھر حضرت عمرؓ کے وقت خیبر سے شام کو۔ اس لئے بھی پہلی جلاوطنی کو اوّل الحشر فرمایا اور دوسری جلاوطنی کی خبر دیدی جو حضرت عمرؓ کے وقت پوری ہوئی ✚

فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ ۔ پس آیا اُن پر اللہ کا عذاب ✚

وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ

اور ڈال دیا انکے دلوں میں رُعب

خدا نے اُن کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ باوجودیکہ یہ قوم بڑی زبردست اور جنگجو تھی۔ لیکن کچھ نہ کر سکی۔ جب انسان مرعوب ہو جاتا ہے۔ تو سب کچھ بھول جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک کہانی سُنایا کرتے تھے۔ کہ ایک چور رستم کے گھر گیا۔ رستم نے اس کو پکڑ لیا۔ اور دونوں میں لڑائی شروع ہوئی۔ چور نے رستم کو گرا لیا۔ اور اُس کی چھاتی پر سوار ہو گیا۔ رستم نے زور سے کہا۔ کہ رستم آگیا۔ رستم آگیا۔ وہ چور چونکہ یہ نہیں جانتا تھا کہ رستم یہی ہے۔ جو میرے نیچے ہے۔ اور اس نے رستم کی زور آوری کی شہرت سُنی ہوئی تھی۔ اس لئے رُعب میں آ گیا اور اس کو چھوڑ دیا۔ اس کہانی کا یہ مطلب ہے کہ رعب طاقتور کو بھی کمزور بنا دیتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے انسان کو بتایا ہے کہ دیکھو ہم نے یہود کو باوجود طاقتور ہونیکے ایسا مرعوب کر دیا کہ بغیر کسی سخت جنگ کے انھوں نے شکست مان لی۔

يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ

تخریب کرتے ہیں اپنے گھروں کی اپنے ہاتھوں سے

وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ

اور ہاتھوں مومنین کے سے

یہ لوگ چونکہ قلعوں میں محصور تھے اس لئے مسلمان ان پر حملہ کر کے ان کے مکانوں کو تباہ کرتے تھے۔ پھر جب انھیں یقین ہو گیا کہ مسلمان غالب آجائیں گے تو وہ خود مکانوں کو برباد کرنے لگے۔ اس کے معنے مکان کو ویران چھوڑ دینے کے بھی ہیں یعنی ویران چھوڑ کر چلے گئے اور مسلمان اس کا ذریعہ تھے ✚

شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۔ قرآن کریم میں کئی الفاظ عذاب کے آئے ہیں۔ کہیں عذاب۔ کہیں انتقام اور کہیں عقاب آیا ہے۔ ان کے معنوں میں فرق ہے۔ عقاب وہ عذاب ہوتا ہے۔ جو فوراً آجائے۔ یعنی ادھر گناہ کیا اور اُدھر عذاب آگیا۔ دیر سے عذاب آنے کی مثال اہل مکہ کی ہے۔ یہ لوگ نبی کریم کو تیرہ سال تکلیفیں دیتے رہے۔ اور چودھویں سال عذاب آیا مگر یہود نے جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر چکی کا پاٹ گرانے کا منصوبہ کیا۔ تو فوراً نکال دئے گئے اور چھ دن کی معمولی جنگ کے بعد ہمیشہ کے لئے جلاوطن کر دیئے گئے ✚

لِيْنَةٍ ۔ (۱) ادنیٰ درجہ کی کھجوروں کا درخت (۲) اعلیٰ درجہ کی کھجوروں کا درخت۔ دونوں کے لئے یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ لیکن ادنیٰ پر زیادہ استعمال ہوتا ہے ✚

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا

جو کاٹ لیا تم نے کوئی درخت کھجور کا یا چھوڑ دیا اسکو

قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا

کھڑا اوپر اُنکی جڑوں کے

یہ ان لوگوں کو سزا دی گئی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ
ان کے کھجوروں کے درخت کاٹ ڈالو۔ لوگوں نے اس بات پر
اعتراض کیا ہے۔ اور اس وقت بھی ایک یہودی نے نکل کر کہا
تھا کہ آپ کھجوروں کو کیوں کاٹتے ہیں۔ قصور ہے تو ہمارا نہ کہ درختو
کا۔ یہ اعتراض کرنے والے لوگ اصول اور قوانین جنگ سے
ناواقف ہیں۔ دول یورپ کو بھی قاعدہ بنانا پڑا ہے کہ جنگ کے
موقعہ پر فلاں فلاں چیزیں ان ملکوں میں نہ جانی پائیں۔ جن میں
جنگ شروع ہو۔ اور اگر کسی سلطنت کی طرف سے ایسی سلطنت
میں کوئی جہاز ایسا اسباب جس کا داخلہ منع ہو لے جاتا ہوا پایا
جائے تو اس کو ضبط کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اگر ان کو سامان
وغیرہ ملتا رہے تو جنگ ختم ہونے میں نہیں آتی۔ نبی کریم صلعم
نے اسی اصل کو مدنظر فرما کر ان کے باغوں کو کاٹنے کا حکم
دیا تھا۔ اور یہ دشمن کو مجبور کرنے کا ایک طریق تھا کہ یا تو عاجز
ہو کر ہتھیار ڈال دے یا باہر نکل کر مقابلہ کرے۔ تاکہ لڑائی
کا خاتمہ ہو +

فَاسِقٌ۔ (۱) عہد شکن (۲) کافر۔ ان دونوں معنوں
کے سوا تیسرے معنے قرآن میں مجھے نہیں معلوم ہوتے۔ منکرین
خلفاء پر بھی عہد شکن کے معنوں پر استعمال کیا گیا ہے یعنے
خدا کا عہد توڑتے ہیں +

فَمَآ اَوْجَفْتُمْ۔ تم نے گھوڑوں یا اونٹوں کو نہیں
دوڑایا۔ ایجاف۔ سواری کا تیز دوڑانا +

اَفَآءَ اللّٰہُ۔ غنیمت کے طور پر جو مال اللہ دے +
غنیمت کے مال کی تقسیم یہ ہے۔ (۱) اللہ کے لئے یعنی قرآن کی اشاعت
دین کی اشاعت۔ سامان جنگ پر خرچ کرنا۔ (۲) رسول کیلئے۔ یا اس کے
خلیفہ کیلئے (۳) رسول کے اقربا کا حصہ۔ یا خلیفہ وقت کے اقربا
کا حصہ۔ اب اشاعت حدیث سے رسول کا حق ادا ہو سکتا ہے
(۴) یتامی کا حصہ۔ (۵) مساکین کا حصہ (۶) مسافروں کا حصہ
اگلی آیت میں اس کی تشریح فرما دی ہے کہ پچھلے چار حصص
مہاجر انصار اور اُن لوگوں میں تقسیم کئے جائیں جو بعد میں آئینگے
اور ان کے متبع ہونگے +

دُوْلَۃً۔ جو ادھر سے اُدھر۔ اور اُدھر سے ادھر پھرتا ہے
مال اور غلبہ کے لئے یہ استعمال ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ بھی کبھی کسی
کے پاس ہوتے ہیں اور کبھی کسی کے پاس +

وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ

اور جو دے تم کو رسول پس اُسے لے لو

اور جو کچھ رسول تم کو دے۔ اس کو خوشی سے لے لیا کرو۔ مال نے
ہی آج تک لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔ ہر ایک نبی پر مال کے معاملہ
میں لوگ اعتراض کرتے آئے ہیں۔ رسول کریم کو ایک شخص نے
ایک موقعہ پر کہا۔ آپ نے مال تقسیم کرنے میں عدل کو مدنظر نہیں
رکھا۔ آپ نے فرمایا اگر میں نے مدنظر نہیں رکھا تو اور کون رکھ سکتا
ہے۔ مسیح موعود پر بھی لوگ اعتراض کرتے تھے کہ چندے جمع کرتے
ہیں اور اسراف کرتے ہیں۔ ایک دفعہ جب کہ آپ لاہور تشریف
رکھتے تھے۔ ایک شخص کا خط آیا جس نے یہ لکھا تھا کہ بیت المال
کے لئے جو آپ پانچ سو روپے دے گئے تھے۔ اس دفعہ اس
میں سے بھی کچھ بچ رہے ہیں۔ بیت المال کا زیادہ خرچ آپ کے
گھر کا ہی ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس نادان کو معلوم نہیں کہ
قادیان میں تو مہمان آتے ہی نہیں۔ مہمان تو یہاں آتے ہیں چنانچہ
لاہور میں اس کثرت سے خرچ تھا کہ لاہور کی جماعت جو ان
اخراجات کو برداشت کرتی تھی۔ اس میں سے بعض کو مسیح موعود
علیہ السلام سے کہنا پڑا۔ کہ بہتر ہو کہ یہ اعلان ہو جائے کہ لوگ اس
کثرت سے نہ آیا کریں کیونکہ خرچ بہت زیادہ بڑھ گیا ہے حضرت
صاحب نے اسی خط پر فرمایا کہ اگر میں بیت المال کا کام ان لوگوں
کے سپرد کر دوں۔ تو ان کو کوئی ایک پیسہ بھی نہ دے۔ حضرت
مسیح موعود علیہ السلام کے بعد لنگر مقروض ہی رہا ہے۔ حالانکہ
مہمانوں کی آمد میں حضرت صاحب کی وفات کے بعد بہت کمی
واقعہ ہو گئی ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح مرحوم کو بیماری کے ایام
میں دو دفعہ لنگر خانہ کے لئے چندہ کی تحریک کرنی پڑی +

یَنْصُرُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ

مدد کرتے ہیں اللہ اور اُس کے رسول کی

اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔ یعنی دین کی اشاعت
کرتے ہیں +

تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِیْمَانَ

بنایا گھر اور ایمان

ایمان کو گھر بنالیا۔ ایمان میں ایسے ہو گئے کہ ان کے آگے پیچھے
ایمان ہی ایمان ہو گیا۔ یا یہ کہ ایمان کو اختیار کر لیا ؎

حَاجَۃً ۔ تنگی۔ انصار کا یہ بھی ایک نشان ہے کہ مہاجرین
پر جو انعام ہوں ان سے دل میں تنگی نہیں محسوس کرتے ؎

شُحَّ ۔ ایسا بخل جس میں حرص بھی ہو۔ ایک بخل یہ ہوتا ہے
کہ میرا مال کوئی نہ لے۔ دوسرا یہ کہ میرا مال نہ جائے اور دوسرے
کا مال میرے پاس آجائے۔ سخت بخل کو بھی کہتے ہیں۔ انصار کی
صفت ہے کہ وہ مہاجرین کو کچھ دینے کے وقت اعتراض نہیں
کرتے تھے ؎

غِلًّا ۔ حسد۔ بغض۔ کینہ ؎

وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ

اور ان کے لئے جو آئے بعد ان کے

اس میں مہاجرین و انصار کے لئے دعا کرنیوالوں کی تعریف
فرمائی اور یہ کہ اس مال میں ان کا بھی حق ہے ؎

رکوع دوم

(۸- اپریل سنہ ۱۹۱۴ء)

بعض شریر انسان ایسے ہوتے ہیں۔ جنہیں لوگوں کو
لڑا کر تماشا دیکھنے کا شوق ہوتا ہے۔ دو آدمیوں کو اُکسا کے
باہم لڑائی کرا دیتے ہیں۔ ایک فریق سے کہتے ہیں۔ واقعی تم
پر بہت بڑا ظلم ہوا۔ تم ضرور اس سے بدلہ لو۔ ہم تمہاری مدد
کرینگے۔ لیکن جس وقت فساد ہو جائے تو پھر مددگار بننے کی
بجائے ناصح بن بیٹھتے ہیں اور نصیحت کرنے لگتے ہیں کہ اچھا
ہوتا تم صبر کرتے۔ معمولی سی بات تھی۔ خواہ مخواہ فساد کر کے
بات کو بڑھا دیا۔ لڑائی نہیں کرنی چاہیئے تھی۔ اللہ فرماتا ہے
کہ ایسے لوگ جھوٹے ہوتے ہیں۔ کیونکہ جو اقرار کرتے ہیں اسکو
پورا نہیں کرتے۔ خدا نے ان کا نام فاسق رکھا ہے۔ ایسے
لوگوں کی جماعت ہر ایک زمانہ میں ہوتی ہے۔ رسول کریمؐ
کے وقت بھی تھی۔ جسکی یہ غرض تھی کہ مسلمانوں اور یہودیوں
کو لڑا کر کمزور کر دے اور خود حکمران ہو جائے۔ ادھر تو اس
جماعت کے لوگ یہودیوں کو جا کر کہتے۔ کہ مسلمانوں کا مقابلہ کرو

وہ کل مل ملا کر آٹھ نو سو آدمی ہیں۔ ان میں سے بھی ہم تین
تمہاری مدد کے لئے نکل آئینگے۔ اور ان کو شکست دے دینگے
اور اِدھر مسلمانوں سے کہتے۔ کہ یہودی لڑائی کی تیاریاں کر رہے
ہیں۔ انھوں نے بہت سامان جمع کر لیا ہے ان کے پاس بہت
سا لشکر ہے۔ ان کا یہ خیال تھا کہ مسلمان چونکہ تھوڑے ہیں
اس لئے ان باتوں سے مرعوب ہو جائینگے۔ اس جماعت کا
سردار عبد اللہ بن ابیّ بن سلول تھا۔ رسول کریمؐ ایک دفعہ
ان کی مجلس میں تشریف لے گئے۔ اور فرمایا کہ میں تم کو ایک
بات سُنانی چاہتا ہوں۔ لیکن عبد اللہ بن ابیّ نے اُٹھ کر
کہا۔ کہ تم خود ہی چلے آتے ہو۔ اور اپنی ہی باتیں سُناتے رہتے
ہو۔ تمہیں یہاں کس نے بلایا تھا۔ ہم تمہاری بات نہیں سُنیں گے
انصار کو رسول کریمؐ کی ہتک دیکھ کر جوش آگیا کہ یہ شخص اپنے
آپ کو مسلمان بھی کہتا ہے اور رسول کریم صلعم کی بے ادبی بھی
کرتا ہے۔ لیکن آپ نے انھیں روک دیا اور فرمایا کہ اسے کچھ
نہ کہو۔ اس وقت انصار میں سے ایک شخص نے کہا کہ عبد اللہ
بن اُبیّ کو چونکہ اہل مدینہ اپنا بادشاہ بنانے لگے تھے اور آپ
کے آنے سے وہ بادشاہت سے محروم ہو گیا اس لئے طیش
میں یہ حرکات کرتا ہے حضور اس پر رحم فرمائیں ؎

اِخْوَانِهِمْ ۔ منافقوں کو کفار کا بھائی خدا نے قرار
دیا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ بظاہر مسلمان تھے۔ لیکن اندر سے کافر

لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ

اگر تم نکالے جاؤگے تو ہم بھی نکلینگے تمہارے ساتھ

یہودیوں نے پہلے مسلمانوں سے ڈر کر عہد کیا تھا کہ وہ مدینہ چھوڑ
کر چلے جاتے ہیں لیکن منافقوں نے انھیں کہلا بھیجا کہ تم کیوں
جاتے ہو ہم تمہارا ساتھ دینگے۔ آخر وہ لڑائی پر آمادہ ہوئے
لیکن چھ دن کے مقابلہ سے ہی ان کے چھکے چھوٹ گئے اور جلاوطن
ہو گئے ؎

وَّلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا

اور نہیں کہا مانیں گے تمہارے معاملہ میں کسی کا کبھی بھی

ہم کبھی بھی تمہارے معاملہ میں کسی کی بات نہیں مانینگے۔ ایسے
شریر آدمی جو لوگوں کو لڑائی اور فساد کے لئے اُکساتے ہیں

مصیبت کے وقت ہرگز ان کا ساتھ نہیں دینے۔ ان کا صرف زبانی ہی جمع خرچ ہوتا ہے +

لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ

اگر نکالے گئے وہ نہیں نکلینگے ان کے ساتھ

وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ

اور اگر ان سے لڑائی کی گئی تو نہیں مدد دینگے اُن کو

وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ

اور اگر ان کی مدد کرتے تو ضرور پھیر لیتے پیٹھیں

ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ

پھر نہ مدد دیئے جائینگے

اگر یہود کو جلاوطن کیا گیا۔ تو یہ ان کے ساتھ نہ نکلینگے۔ اور اگر لڑائی کی گئی تو یہ ان کی مدد نہیں کرینگے۔ اور اگر کرینگے تو بھاگ جائینگے + یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا تو فرماتا ہے کہ لڑائی کے وقت یہ ان کی مدد نہیں کرینگے۔ پھر یہ کیوں فرمایا کہ اگر مدد کریں تو بھاگ جائینگے خدا تعالےٰ تو عالم الغیب ہے اسے جب علم تھا کہ یہ مدد ہی نہیں کرینگے تو پھر یہ کیوں فرمایا کہ اگر مدد کرینگے تو ان کا یہ حال ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عبارت بوجہ شک کے نہیں بلکہ مسلمانوں کے دل مضبوط کرنے کے لئے ہے یعنے منافق کبھی یہود کا ساتھ نہ دینگے اور اگر دیں بھی تو بھی کچھ نہیں کرسکتے۔ ہم ان کو بھی بھگا دینگے اس سے غرض مسلمانوں کے دلوں کو مضبوط کرنا ہے +

لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ

البتہ تم بہت زیادہ ہو ڈر میں

صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

بیچ انکے دلوں کے اللہ کی نسبت یہ اس لئے ہے

قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ

کہ وہ ایک قوم ہے جو نہیں سمجھتے

مسلمانوں کو فرمایا کہ تمہارا ڈر ان کے دلوں میں اللہ سے زیادہ ہے کیونکہ یہ ایسی قوم ہے۔ جو کچھ نہیں سمجھتی۔ یہ تقوےٰ کی حکمت بیان فرمائی ہے کہ جتنا جتنا کسی کی طاقت کا علم انسان کو ہوتا ہے اسی قدر اس سے ڈرتا ہے۔ لیکن جسکی حقیقت سے ناواقف ہو وہ خواہ کتنا ہی طاقتور ہو اس سے نہیں ڈرتا مثلاً ایک چور چوری کرتے وقت اگر کانسٹبل کو دیکھ لے گو وہ اس کی طرف پیٹھ کرکے ہی کھڑا ہو۔ تب بھی وہ چوری نہیں کریگا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ مجھے پکڑ لے گا۔ بلکہ ذراسی آہٹ بھی معلوم ہو تو بھی وہ چوکنا ہو جاتا ہے کہ شاید میری طرف ہی کوئی آرہا ہے + پس جو لوگ خدا تعالےٰ سے نہیں ڈرتے۔ وہ اسی وجہ سے نہیں ڈرتے کہ اس کو سمجھتے نہیں اور اس کی معرفت انہیں حاصل نہیں ہوتی۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ پیٹھ پھیر کر کھڑے ہوئے کانسٹبل سے تو چور ڈرتا ہے اور علیم و خبیر اور شدید العقاب خدا سے نہیں ڈرتا۔ اگر لوگ یہ جانتے ہوں کہ خدا ہمارے ہر ایک گناہ کی سزا ہم کو دیگا تو وہ کبھی خدا کی نافرمانی نہ کریں +

قُرًى مُّحَصَّنَةٍ۔ ایسی بستیاں جو حملوں سے محفوظ کر دیگئی ہوں۔ ان کے گرد قلعے بنا دیئے گئے ہوں یا خندقیں کھود دیگئی ہوں لشکر سے محفوظ کر دی گئی ہوں +

بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ

ان کی لڑائی آپس میں سخت ہے

(۱) آپس میں ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے ہیں۔ باس سے مراد یہاں تلوار کی لڑائی نہیں۔ بلکہ دل کے بغض اور کدورتیں ہیں (۲) جب یہ اکٹھے ہوتے ہیں تو لڑائی کے عجیب عجیب نقشے بناتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کہتا ہے کہ میں یوں تلوار چلاؤں گا یوں حملہ کرونگا۔ یوں لڑوں گا۔ لیکن دل میں یہ سوچتا ہے کہ میں میدان جنگ سے کس طرح جان بچا کر بھاگوں گا زبان سے تو ہر ایک بات پر جمع ہو جاتے ہیں اور میدان جنگ کا خوب نقشہ کھینچتے ہیں۔ لیکن دل میں ہر ایک کا الگ الگ منصوبہ ہوتا ہے (۳) جب کسی اور سے ان کی لڑائی ہو۔ تب تو بہادری سے مقابلہ کرسکتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کی کیا ہستی ہے کہ ٹھہر سکیں +

تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى

ان کو تو خیال کرتا ہے متفق اور ان کے دل متفرق ہیں

ان لوگوں کے اغراض متحد نہیں ہو سکتے۔ یہود مذہب کے لئے لڑتے ہیں یا حکومت کے لئے۔ منافقین عبد اللہ بن ابی سلول کو بادشاہ بنانے اور شرک پھیلانے کے لئے۔ پس یہ بظاہر ہی تمہیں اکٹھے معلوم ہوتے ہیں۔ بباطن ان میں بڑا تفرقہ ہے +

قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ۔ ان کے تفرقہ کی وجہ یہ بیان فرمائی۔ کہ یہ بے عقل قوم ہے۔ کیونکہ عقل اور علم کے ماتحت جو بات ہوتی ہے وہ ایک ہی ہوتی ہے خواہ مختلف پیراؤں میں ادا ہو۔ لیکن جو بات عقل وعلم کے ماتحت نہو۔ اس میں اختلاف ہوتا ہے مثلاً انبیاء جو علم اور عقل کی بنا پر خدا تعالیٰ کو پیش کرتے ہیں وہ سب اس کی ذات کی نسبت متحد الخیال ہیں لیکن جو لوگ ظنیات پر مذہب کی بنا رکھتے ہیں۔ ان کے خیالات متفرق ہیں۔ اور ایک بات پر قائم نہیں ہیں۔ کوئی دو کہتا ہے کوئی تین۔ کوئی چار۔ کوئی پانچ۔ کوئی تیس کروڑ۔ اور کوئی ہر ایک ذرہ کو خدا کہتا ہے۔ اگر ایک مسئلہ کچھ لوگوں سے پوچھا جائے تو جو لوگ عقل سے کام لینگے ان سب کی رائے ایک ہی ہوگی اور جو صرف وہم اور خیال سے کام لینگے وہ اِدھر اُدھر کی باتیں کریں گے اور سب مختلف الآرا ہونگے +

قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ

قریب ہی چکھا انہوں نے وبال اپنے کام کا

جنہوں نے ابھی ابھی اپنے اعمال کا مزہ چکھا ہے (۱) یعنے بدر کے موقعہ پر جنکو عذاب آیا تھا (۲) یا فی زمن قریب یعنے قریب زمانہ کی پہلی قوموں کو دیکھ لیتے۔ جو اپنی بدکاریوں کی وجہ سے ہلاک کی گئیں +

یہ مثال منافقوں کی ہے اور پہلی مثال یہود کی +

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ۔ (۱) ہر ایک وہ چیز جو ہلاکت میں ڈالے (۲) ہر ایک وہ چیز جو حق سے دور ہو۔ یا دوسرے کو دور کرنے والی ہو +

اِنِّىْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكَ۔ ہر ایک شریر آدمی مصیبت کے وقت یہی کہدیتا ہے کہ میں نے تم کو کب یہ کام کرنیکو کہا تھا۔

اَنَّهُمَا فِى النَّارِ۔ یہودی اور منافق دونوں آگ میں ڈالے جائیں گے۔ بدی سیکھنے اور سکھانے والے دونوں کو سزا ملے گی۔ ان میں سے کوئی بچ نہیں سکتا۔ منافق یہ خیال نہ کریں کہ وہ سزا سے بچ جائیں گے +

رکوع سوم

(۹۔ اپریل سنہ ۱۹۱۴ء)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو تقویٰ کرو اللہ کا

ہر ایک وہ انسان جو کسی چیز کی اہمیت کو سمجھ لیتا ہے اس کے لئے پہلے ہی تیاری شروع کر دیتا ہے۔ اور جس چیز کی اہمیت اس کے ذہن نشین نہیں ہوتی اس کے لئے تیاری نہیں کرتا۔ اگر کسی کو ایک کام کے نتائج سے آگاہی ہو تو اس کے لئے پہلے ہی سے بڑی بڑی تیاریاں شروع کر دیتا ہے۔ ہر ایک طالب علم جو علم کے نتائج سے واقفیت رکھتا ہے۔ وہ محنت وقت اور روپیہ صرف کر کے کئی کئی سال اپنی تیاریوں میں صرف کر دیتا ہے۔ اور بالآخر مال و دولت عزت و آبرو حاصل کر لیتا ہے لیکن جو اس کے فوائد سے ناواقف رہ کر تیاری نہیں کرتا۔ وہ زندگی کے آنے والے دنوں میں سخت مشکلات اور تکلیفوں کا ہدف بنتا ہے۔ اسی طرح وہ آدمی جو یہ یقین رکھتا ہو کہ میرے نیک اور بد اعمال کا بدلہ مجھے ضرور ملنا ہے وہ اپنی اصلاح کی فکر میں رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مثال دیکر سمجھایا کہ دیکھو خدا تعالیٰ کا مقابلہ کرنے والے کس طرح ذلیل ہوتے ہیں اس لئے تم اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو۔ ان لوگوں کو تو تم نے دیکھ لیا ہے جنہوں نے خدا کا انکار کیا تھا۔ مال و دولت عزت آبرو اور وطن سب کچھ ان کے ہاتھ سے جاتا رہا +

وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ

اور چاہئے کہ دیکھے ہر ایک جان اسے جو آگے بھیجا کل کے لئے

خدا تعالیٰ نے متقی بننے کا یہ ایک طریق بیان فرماتا ہے کہ انسان اپنے اعمال کا محاسبہ کرے کہ آج میں نے کیا کیا ہے اور کل

کے لئے کیا تیاری کی ہے۔ کیونکہ اگر انسان اپنے گناہوں کی پڑتال کرتا رہے گا۔ تو ان سے بچ جائے گا۔ ایک تاجر اپنے آمد و خرچ کا حساب روز کرتا رہے تو اُسے ہر روز معلوم ہو جاتا ہے کہ آج نفع ہوا ہے یا نقصان۔ اگر اسے نقصان ہو تو دوسرے دن اس کی تلافی کی کوشش کرتا ہے جس سے وہ اپنے گھاٹے کو پورا کر لیتا ہے۔ لیکن اگر وہ کئی سال تک حساب کی پڑتال ہی نہ کرے تو ممکن ہے کہ پڑتال کرتے وقت اُسے بہت سا نقصان معلوم ہو جسکے پورا کرنے میں وہ ہرگز کامیاب نہیں ہو سکے گا۔ اور آخر کار تباہ ہو جائیگا۔ پس ہر ایک انسان کو چاہیئے کہ ہر روز اپنے اعمال کا اندازہ کیا کرے۔ کیونکہ اگر اسے معلوم ہوگا کہ آج مجھ سے فلاں فلاں غلطیاں ہوئی ہیں۔ تو دوسرے دن وہ احتیاط کرے گا۔ اور اگر نیکیاں زیادہ ہونگی تو اس کا دل بڑھ جائے گا۔ اور دوسرے دن بہت زیادہ عمل صالح کرے گا +

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ پہلی دفعہ حکم دیا تھا کہ متقی ہو جاؤ۔ پھر تجویز بتائی کہ اس طرح ہو سکو گے۔ پھر فرمایا کہ اب تو ہم نے تجویز بھی بتا دی ہے اب تو تقویٰ اختیار کر لو +

إِنَّ اللّٰهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ

تحقیق اللہ خبر رکھتا ہے اسکی جو تم کرتے ہو

فرمایا تمہارے اعمال ضائع نہیں ہونگے۔ کیونکہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔ اسلئے ضرور اس کا بدلہ دے گا +

نَسُوا اللّٰهَ فَأَنْسٰهُمْ أَنْفُسَهُمْ ؕ

بھول گئے وہ اللہ کو پس بھلا دیا اللہ نے ان سے انکی جانوں کو

جب کوئی آدمی مصیبت میں ہو تو اس کے دوستوں کا اس کو بھلا دینا یہ ہوتا ہے کہ اس کی مدد نہیں کرتے۔ جس قدر زیادہ انسان خدا کو یاد رکھتا ہے۔ اتنا ہی اپنے نفس کو بھی یاد رکھتا ہے۔ اور جتنا بھلاتا جاتا ہے اتنا ہی اپنے نفس کو بھولتا ہے۔ مومن اور کافر میں یہ فرق ہے کہ مومن جب کوئی غلطی کرنے لگتا ہے تو خدا اس کو سمجھا دیتا ہے یعنی استخارہ کے وقت اس کام کا اچھا یا بُرا ہونا اس کے دل میں ڈال دیتا ہے۔ لیکن کافر غلطی کرنے سے بچ نہیں سکتا کیونکہ جب اسے خدا یاد ہی نہیں تو اسے اپنے نفس کی بھلائی کی طرف کیونکر توجہ ہو سکتی ہے اور اس طرح گویا اپنے آپ کو بھول جاتا ہے +

هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۔ مومن اس دُنیا میں بھی ہمیشہ کامیاب ہی ہوتا ہے۔ کتنی بڑی طاقت اور حکومت کیوں نہ ہو مقابلہ کر کے اس کو ذلیل نہیں کر سکتی۔ دُنیا میں ہزاروں ہزار نبی اور رسول آئے اور ہمیشہ ان کا مقابلہ کرنے والے ذلیل اور خوار ہی ہوتے رہے۔ اس زمانہ میں ہی دیکھ لو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جن لوگوں نے مخالفت کی وہ ذلیل ہو گئے ہیں۔ مولوی محمد حسین بٹالوی کی نسبت سُنا ہے کہ اس کی بہت بڑی عزت کی جاتی تھی۔ جب وہ لاہور جایا کرتا تھا تو ہندو دکاندار تک بھی تعظیم کے لئے اُٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ لیکن اب میں نے اپنی آنکھوں سے اس کو دیکھا ہے کہ اسٹیشن سے خود بوجھ اُٹھائے جا رہا تھا۔ اور اس کو کوئی پوچھتا تک نہ تھا۔ تو اللہ تعالے دنیا میں ہی اپنے بندوں کو کامیاب اور ان کے مخالفوں کو ذلیل کر کے دکھا دیتا ہے۔ دُنیا میں بادشاہت ملنے کو ہی کامیابی نہیں کہتے بلکہ دشمن جس رنگ سے نبی کا مقابلہ کرتا ہے اسی رنگ میں ذلیل کیا جاتا ہے تلوار کے وقت تلوار سے اور قلم کے وقت قلم سے نبیوں کو کامیابی حاصل ہوتی ہے +

لَوْ أَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰى

اگر اتارتے ہم اس قرآن کو اوپر

جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا

جبل کے تو دیکھتا تو اسے جھکتا ہوا اور پھٹتا ہوا

مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ

اللہ کے خوف سے

میرے خیال میں یہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی تعریف فرمائی ہے +

جبل ۔ بخیل۔ متکبر۔ رئیس قوم۔ مالدار۔ اور بڑے آدمی کو بھی کہتے ہیں۔ اللہ تعالے فرماتا ہے کہ اگر ہم اس قرآن کو کسی بڑے متکبر اور بخیل انسان پر بھی اُتارتے۔ تو وہ بھی ڈر سے ہمارے سامنے جھک جاتا۔ اور سب ناپاک تعلقات

کو قطع کر دیتا- چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسے زبردست
انسان کے مسلمان ہونے کا واقعہ اس بات کا مصدق ہے-
حضرت عمرؓ اپنے گھر سے اس ارادہ پر نکلے کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم)
کو قتل کر کے واپس آؤنگا- مگر راستے میں اپنی بہن کے گھر قرآن شریف
سُنکر ایسا اثر ہوا کہ گردن جھک گئی اور آنسو جاری ہو گئے اور آکر
مسلمان ہو گئے +

اس آیت میں خدا تعالےٰ نے یہ بتایا ہے کہ جب قرآن
اُتارنے سے کسی متکبر اور خطرناک انسان کا یہ حال ہونا- کہ وہ بھی
خدا کے سامنے جُھک جاتا اور دنیا کی ہر ایک بُرائی کو چھوڑ دیتا- تو
محمدؐ (صلے اللہ علیہ وسلم) تو ہمارا بہت ہی نیک بندہ ہے جس کو
تم بھی صادق- امین اور نیک کہتے ہو- جب اس پر قرآن اُتارا
گیا- تو کیا یہ کسی قسم کی حرص اور بُری خواہش اپنے اندر رکھ سکتا ہے؟
ہرگز نہیں- پس یہ جو کچھ تم کو کہتا ہے بالکل ٹھیک اور تمہاری بھلائی
کے لئے کہتا ہے +

اَلْمَلِکُ- حکومت والا- جس کے قبضے میں ہر ایک چیز ہو-
اَلْقُدُّوْسُ (۱) پاک- (۲) برکت والا +
اَلسَّلَامُ- (۱) ہر ایک نقص اور عیب سے پاک (۲) لوگ
اس سے محفوظ ہیں یعنی ظالم بادشاہ نہیں- بلکہ اس کے ہاں سے
سلامتی ہی سلامتی آتی ہے +
اَلْمُؤْمِنُ- امن دینے والا +
اَلْمُھَیْمِنُ (۱) بندوں کے اعمال دیکھ رہا ہے (۲)
مخلوق کی محافظت کر رہا ہے- ہر ایک تکلیف اور ہر گند کا علاج بھی
ساتھ ہی اس نے پیدا کر دیا ہے- یہ نظارہ پہاڑ پر دیکھنے کے
قابل ہوتا ہے- ایک بچھو بوٹی ہوتی ہے جہاں وہ لگ جائے
کھجلی شروع ہو جاتی ہے لیکن ساتھ ہی اس کے پالک کا پودا
ہوتا ہے جس کا پانی لگانے سے فوراً آرام آجاتا ہے- جہاں
یہ بوٹی ہوتی ہے وہاں ضرور اس کے قریب ہی پالک کا پودا
بھی ہوتا ہے- صوفیا تو بہت دور تک چلے گئے ہیں- وہ کہتے
ہیں کہ کل بیماریوں کی دوا انسان کے جسم میں ہی موجود ہے-
اس پر انھوں نے بڑی بڑی کتابیں بھی لکھی ہیں +
اَلْجَبَّارُ- (۱) دوسرے کو ذلیل کر کے خود معزز بننے والا
(۲) مصلح- بندوں کی نسبت پہلے معنے ہی استعمال ہوتے ہیں
کیونکہ انسان اسی وقت معزز سمجھا جاسکتا ہے جبکہ دوسروں کا

درجہ لے کر اپنے قبضے میں کر لے- لیکن خدا کو اس کی ضر
نہیں- اگر ہم اس کی تعریف کریں گے- تو اس کی عزت بڑھ
جائے گی اور نہ کریں گے تو کمی واقعہ نہیں ہوگی +
اَلْمُتَکَبِّرُ- (۱) بڑائی والا- (۲) اتنا بڑا کہ کوئی عیب
اس میں پیدا نہیں ہو سکتا +
اَلْبَارِیُٔ- (۱) تراش خراش کرنے والا- (۲) درس
کرنے والا +
اَلْمُصَوِّرُ- شکل بنانے والا +

لَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى

اسی کے لئے ہیں نام اچھے

خدا ہی کے واسطے سب اچھے نام ہیں +

یہ ایک ایسی آیت ہے- جس کے مقابلہ میں دنیا کا
مذہب اپنی کتاب سے پیش نہیں کر سکتا- سب مذاہب
کسی نہ کسی کمزوری کو خدا کی طرف منسوب کیا ہے- اسلئے ایک
ہی ہے جس نے اس کو ہر طرح سے پاک مانا ہے عیسا
کہتے ہیں کہ ہم رحم کر سکتے ہیں لیکن خدا کسی پر رحم کرنے کی طا
نہیں رکھتا- اسی وجہ سے اس نے اپنے بیٹے کو لوگوں کے گ
کے بدلے ہلاک کیا- آریہ کہتے ہیں- کہ ہم خود بخود ہیں- خدا مادہ او
کا خالق نہیں- اس طرح گویا وہ خدا تعالیٰ کو ظالم کہتے ہیں- کہ زبرد
ان پر حکومت کر رہا ہے (۲) خدا کو ظالم ٹھہراتے ہیں کہ وہ
کے گناہ نہیں بخش سکتا- اور نجات نہیں دے سکتا- اگر لو
نجات حاصل بھی کر لیں- تو بھی ضرور ایک آدھ گناہ رکھ
ہے اور دوسری جون میں بھیج دیتا ہے- اگر ایسا نہ کرے
کیا وہ بیکار بیٹھا رہے- سناتنی بیچارے خود پتھر بنا
اس کے آگے سجدہ کرتے ہیں- بنارس میں بت بنے ہو
دیکھ کر مجھے خیال آیا- کہ ان بُتوں کی نسبت تو یہ بت گر زیادہ
تعظیم ہونے چاہئیں- کیونکہ یہ تو پتھروں کے خدا بنانے
یُسَبِّحُ- پہلے سَبَّحَ فرمایا تھا- اس کے معنے ہر ایک
چیز نے اللہ کا پاک ہونا ثابت کیا ہیں- اسکے بعد فرمایا یُسَبِّحُ
اس کے معنے ہیں کہ ہر ایک چیز تسبیح کرتی ہے اور کرتی
رہے گی +

سورۃ الممتحنۃ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ

نہ بناؤ میرے دشمن کو اور اپنے دشمن کو

اَوْلِیَآءَ

دوست

غیرت مند انسان کبھی پسند نہیں کرتا کہ اس کے سامنے اور اس کی موجودگی میں اس کے ملازم یا نوکر سے مدد مانگی جاوے اگر بادشاہ کی مجلس میں ایک آدمی چپڑاسی کے آگے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو جائے اور اپنے قصور کی عذر خواہی کرنے لگے تو بادشاہ ہرگز پسند نہیں کرے گا۔ اور وہ بجائے فائدہ کے نقصان اُٹھائے گا۔ جب انسان ایسا پسند نہیں کرتا۔ تو خداوند تعالےٰ ان لوگوں کو کیوں پسند کرنے لگا۔ جو اس پر بھروسہ نہ کرتے ہوئے اس کے منکروں سے دوستی رکھتے ہیں۔ پہلی سورۃ میں یہود اور منافقوں سے سلوک کے متعلق احکام بیان فرمائے ہیں۔ اور اس سورۃ میں کفّار کی نسبت احکام فرماتا ہے +

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِہٖ۔ انسان اپنے دوستوں کے مذہب پر ہوتا ہے یعنی جن خیالات کے اس کے دوست ہوتے ہیں وہی خیالات اس کے بھی ہوتے ہیں۔ اگر کسی کا مذہب معلوم کرنا ہو تو اس کے دوستوں کو دیکھ لینا چاہیے جو لوگ آپس میں دوستی رکھتے ہیں۔ ضرور ان میں کوئی نہ کوئی مناسبت ہوتی ہے ابن عربی لکھتے ہیں کہ میں ایک دفعہ جا رہا تھا۔ دیکھا کہ ایک کوّا اور کبوتر اکٹھے بیٹھے ہیں میں نے تعجب کیا کہ ان کی آپس میں کیا مناسبت ہے جو اکٹھے بیٹھے ہیں۔ آخر میں اس بات کے دریافت کرنے کے لئے وہیں بیٹھ گیا

تھوڑی دیر کے بعد جب وہ چلے تو معلوم ہوا کہ دونوں لنگڑے تھے +

پس جو شخص مومنوں کو چھوڑ کر کافروں سے دوستی رکھتا ہے اس میں ضرور کوئی ایسی رگ یا نقص ہوتا ہے جو ان سے مناسبت رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ ایک اعلےٰ کو چھوڑ کر ادنےٰ کی طرف جھکتا ہے اور پھر اگر اس کا دل ان سے محبت کرنے کو چاہتا ہے۔ اور وہ مومن اور کافر کی دوستی میں فرق نہیں کر سکتا +

تُلْقُوْنَ اِلَیْھِمْ بِالْمَوَدَّۃِ

تم پیغام بھیجتے ہو ان کی طرف ساتھ محبت کے

اس کے دو معنی ہیں (۱) تم ان کی طرف محبت ڈالتے ہو یعنی محبت کرتے ہو (۲) تم ان کی طرف محبت کے پیغام بھیجتے ہو نبی کریمؐ نے جب مکّہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ تو ایک صحابی حاطب بن ابی بلعتہ نے اس غرض کے لئے کہ اس کے رشتہ دار وغیرہ بچ جائیں۔ ایک عورت کی معرفت خط بھیجا تھا کہ مکّہ پر حملہ ہونے والا ہے۔ نبی کریمؐ کو اللہ تعالےٰ نے خبر دیدی۔ آپ نے حضرت علی اور چند صحابہ کو بھیجا کہ روضہ خاخ جاؤ۔ وہاں ایک عورت ہوگی اس کے پاس ایک خط ہے وہ لے آؤ۔ وہ گئے۔ اس عورت نے پہلے تو انکار کیا مگر آخر خط دیدیا۔ آپ نے اس صحابی سے پوچھا کہ یہ کیا کیا اُس نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ شرارت سے نہیں لکھا بلکہ اس خیال سے کہ حضور کو فتح تو ضرور ہوگی میرے اس خط سے میرے عیال بچ جائینگے۔ آپ نے فرمایا یہ سچ کہتا ہے چھوڑ دو +

اِنْ یَّثْقَفُوْکُمْ یَکُوْنُوْا لَکُمْ

اگر پائیں تم کو ہوں تمہارے لئے

اَعْدَآءً

دشمن

اگر وہ تم پر قابو پالیں۔ یا فتح پالیں۔ تو وہ تمہارے ساتھ دشمنی ہی کریں۔ اگرچہ تم ان سے محبت کا اظہار کرتے ہو +

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ

دوست رکھتے ہیں تاکہ تم کافر ہو جاؤ

ان کی تو ہر وقت یہی خواہش رہتی ہے کہ تم کو دین سے پھیر کر کافر بنالیں۔ کیا لطیف بات بیان فرمائی ہے اور کیسی عمدہ حجت ہے کہ یہ تو چاہتے ہیں۔ کہ تم کو کافر بنالیں۔ پھر بھی کیا تم ان سے دوستی رکھوگے اگر ایک آدمی سفر کر رہا ہو اور اس کو معلوم ہو جائے کہ میرا ساتھی لوٹیرا ہے تو کبھی اس کے ساتھ نہیں رہے گا۔ جب مال کے لئے اتنی احتیاط کی جاتی ہے۔ تو کیا تم کو ایمان کی فکر نہیں ہے جو کافروں سے دوستی رکھتے ہو۔ ایک انسان کہہ سکتا ہے کہ اس لئے ان سے محبت رکھتا ہوں کہ وہ میرے رشتہ دار ہیں۔ اس پر فرماتا ہے لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ دیکھو دُنیا میں اگر کسی کو جنون ہو جائے۔ یا قولنج ہو جائے تو رشتہ دار اس کی کیا مدد کر سکتے ہیں جب دُنیا میں کچھ نہیں کر سکتے تو قیامت کے دن وہ کیا نفع دینگے۔ وہاں تو اپنے اپنے اعمال ہی کام آئینگے۔ رشتہ داریاں اسی وقت تک مفید ہو سکتی ہیں۔ جبکہ خدا کی رضامندی کے ماتحت ہوں۔ ورنہ ان سے کسی قسم کے نفع کی توقع نہیں رکھنی چاہیئے +

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

تحقیق ہے تمہارے لئے نمونہ اچھا

فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ

میں ابراہیم کے

فرمایا حضرت ابراہیم میں تمہارے لئے اقتداء تھی۔ اور تمہارے واسطے اعلےٰ درجہ کی نظیر تھی۔ کہ اُس نے کس صفائی سے اپنی قوم کو کہدیا تھا کہ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ ہم تم سے بیزار ہیں بَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ۔ ہمارے اور تمہارے درمیان اسوقت تک بغض اور عداوت ہے جب تک کہ تم اللہ پر ایمان نہ لاؤ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خدا سے خاص تعلق تھا کسی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے انکو یہ کہدیا۔ جب خدا تعالےٰ کا کوئی ہو جاتے اور اس پر اس کو پورا بھروسہ ہو تو کبھی کسی سے نقصان نہیں اُٹھا سکتا +

حضرت خلیفۃ المسیح اوّل (خدا کے ہزار ہزار صلوٰۃ اور درود ان پر ہوں) جن دنوں کتاب نورالدین لکھ رہے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کسی شخص نے کہا کہ مولوی صاحب نے حضرت ابراہیم کے آگ میں ڈالے جانے کو لڑائی کی آگ لکھا ہے آپ کا چہرہ سُرخ ہوگیا۔ اور فرمایا کہ مولوی صاحب کو جاکر کہدو کہ وہ لکھ دیں۔ کہ آئے کوئی مجھے آگ میں ڈال کر دیکھ لے۔ میرا مولیٰ مجھے کس طرح نکالتا ہے اس کو خدا پر ایمان اور بھروسہ کہتے ہیں۔ خدا سے تعلق رکھنے والوں کی تو بات ہی الگ ہے۔ خدا والے انسانوں سے تعلق رکھنے والے بھی کبھی دُنیا میں ذلیل نہیں ہوتے۔ اس لئے میں جو لوگ کہتے ہیں کہ غیر احمدی ہم کو تکلیفیں دینگے۔ ہماری مدد نہیں کریں گے۔ ان کو یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ اگر ہمارا تعلق خدا اور اس کے رسول اور اس کے مسیح موعود کے ساتھ ہے تو کوئی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ خدا ہماری خود مدد کرے گا۔

اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ

مگر قول ابراہیم کا

بعض مفسرین نے اس کے یہ معنے کئے ہیں۔ کہ ابراہیم علیہ السلام کی ہر بات قابل اقتداء ہے۔ (قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ) مگر یہ قول نہیں ہے۔ چونکہ حضرت ابراہیم ایک نہایت عظیم الشان انسان اور بارگاہ ایزدی کے خاص مقربوں میں سے ہیں اس لئے میرے نزدیک تو یہ معنے اچھے ہیں کہ ابراہیم کی ہر بات قابل اقتداء ہے۔ ہاں اس کی ایک یہ بات بھی ہے۔ زندوں کے لئے جو کہ کافر ہوں۔ دُعا جائز ہے۔ جب تک خاص طور پر منع نہ کیا جائے +

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اے ہمارے رب نہ بنا ہم کو فتنہ ان لوگوں کیلئے جو کافر ہوئے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دُعا فرمائی ہے کہ اے ہمارے اللہ جب ہم نے کفار کو چھوڑ دیا۔ اور ان سے قطع تعلق کرلیا۔ تو ہم کو ان کے لئے فتنہ نہ بنانا +

واغفر لنا ربنا ج

اور بخش دے ہمیں اے ہمارے رب

پھر فرمایا کہ خدا تو فتنہ نہیں بناتا - فتنہ تو ہمارے گناہوں ہی کی وجہ سے ہوتا ہے - اس لئے کہا کہ اے ہمارے رب ہمارے گناہوں کو بخش دے +

لقد كان لكم فيهم أسوة حسنة

البتہ تحقیق ہے تمہارے لئے ان میں نمونہ اچھا

لمن كان يرجوا الله واليوم الآخر ط

لیکن اس کے لئے جو ڈرتا ہے اللہ اور یوم آخر سے

ومن يتول فإن الله هو الغني الحميد

اور جو پھر جائے پس اللہ وہ ہے جو غنی اور حمید ہے

رجاء خوف اور امید دونوں کو کہتے ہیں - یہاں خوف کے معنوں میں استعمال ہوا ہے - اللہ تعالے فرماتا ہے کہ باوجود ابراہیم کی نظیر کے کہ ہم نے اس کو کس طرح کامیاب کیا - جو پھر جاتا ہے اور اللہ پر بھروسہ نہیں رکھتا - خدا کو بھی اس کی کوئی پروا نہیں - اس کو کسی کی تعریفوں کی ضرورت نہیں - وہ جب انسان نہ تھے تب بھی حمید ہی تھا +

اس رکوع کو خوب یاد رکھو - خداوند تعالے ترقی کا ایک ہی ذریعہ بیان فرماتا ہے - کہ خدا کے رسول کے مامورین کے دشمنوں کے ساتھ ہرگز دوستی نہ رکھو - اور دین کے معاملہ میں کسی رشتے ماں - باپ - بھائی بیٹے - بیوی اور دوستوں کو چھوڑنا پڑے تو چھوڑ دو - اور ہرگز ان کی پروا نہ کرو - صحابہ کو اسی وجہ سے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کا خطاب ملا تھا - ہر ایک سے تعلقات کے چھوڑ دینے کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن کریم مسلمانوں کو وحشت کی تعلیم دیتا ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ ایسی دلی دوستی اور تعلقات جو دین میں رکاوٹ ہوں - وہ نہیں رکھنے چاہئیں - یوں تو ماں باپ کی عزت اور خدمت اور دیگر رشتہ داروں سے سلوک کرنے سے اسلام منع نہیں کرتا +

رکوع دوم

(۱۳ - اپریل سنہ ۱۹۱۴ء)

پہلے رکوع میں خداوند تعالے نے فرمایا ہے کہ تم کفار سے دوستانہ تعلقات نہ رکھو - جس کی وجوہات یہ بیان فرمائیں کہ (۱) ان سے تم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا - جبکہ وہ خود گمراہ ہیں تو تمہارے لئے کس طرح مفید ہو سکتے ہیں (۲) ان کو تو اللہ تباہ کرے گا - اور تم کو فتح و نصرت ہوگی - جب تم ان سے دوستی کسی فائدہ کی غرض سے رکھو گے - تو گویا تم کو خدا پر بھروسہ نہیں کہ وہ کافروں کو ذلیل اور تم کو کامیاب کرے گا (۳) ان سے ملنے میں یہ حرج ہے کہ وہ تو چاہتے ہیں کہ تم کو اپنے مذہب میں واپس لے آئیں - جب تم ان سے میل ملاپ رکھو گے تو شاید ان کی کوئی بات تم پر اثر کر جائے اور تم ان کا کہا مان لو +

عسى الله أن يجعل بينكم وبين

قریب ہے کہ اللہ کر دے تمہارے درمیان اور درمیان

الذين عاديتم منهم مودة ط

ان لوگوں کے جن سے تم عداوت رکھتے ہو دوستی

ان سے دوستی رکھنے کا طریق بیان فرمایا - کہ اگر تم ان سے سچی دوستی رکھنی چاہتے ہو - تو خدا سے پورا تعلق پیدا کرو - جب خدا تم سے راضی ہو جائے گا - تو کفار کے دلوں کو تمہاری طرف پھیر دے گا اور وہ مسلمان ہو کر تمہارے سچے دوست بن جائیں گے لیکن جن ذریعوں سے تم ان کو دوست بنانا چاہتے ہو - ان سے ان میں کبھی سچی دوستی پیدا نہیں ہو سکتی - دیکھو تم مسلمان جو ایک دوسرے کے دوست ہو تو خدا نے ہی تم میں محبت ڈالدی ہے ورنہ اگر تم دنیا کا تمام مال و زر بھی خرچ کر دیتے تو کبھی ایسی محبت نصیب ہوتی +

أن تبروهم وتقسطوا إليهم

یہ کہ احسان کرو ان پر اور انصاف کرو انکے معاملات میں

أن تبروهم - تم کفار پر احسان کرو - وتقسطوا إليهم عدل کرو - یہاں عدل کے معنے لین دین کے ہیں - کہ اگر کسی

نے تم کو کچھ دیا ہو۔ تو تم بھی اس کو اتنا ہی دو۔ یا اس سے زیادہ دیدو۔ اور دیتے وقت انصاف کو مدنظر رکھو۔ انصاف میں تمام لوگ برابر ہیں۔ اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے کہ اس قسم کی داد وستد کفار سے جائز ہے۔ ہاں جن لوگوں سے جنگ ہو ان کا احسان اُٹھانا بھی منع ہے کیونکہ پھر بدلہ بھی دینا پڑے گا +

اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ

جب آئیں تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے

فَامْتَحِنُوْهُنَّ

تو اُن کا امتحان لو

یہ مذہب اسلام کا انصاف ہے۔ فرمایا جب مسلمان عورتیں تمہارے پاس ہجرت کر کے آویں تو ان کا امتحان لے لیا کرو۔ اسلام نے یہ جائز نہیں رکھا کہ جو عورت ان میں آجائے اس کو بغیر پوچھنے اور تحقیق کرنے کے صرف تعداد بڑھانے کی خاطر اپنے میں شامل کر لیا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی عورتوں سے اس قسم کی قسم لینے کا حکم دیا تھا کہ وہ خاوند سے ناراض ہو کر تو نہیں آئی۔ نہ دنیا کی غرض سے نہ سیر و تماشا کی غرض سے۔ بلکہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کی وجہ سے اس نے ہجرت کی ہے اگر وہ یہ قسم کھا لیتی تو اس کو رکھ لیا جاتا تھا اور جو کسی اور غرض کے لئے آئی ہو اس کا رکھنا منع فرمایا کیونکہ اس سے فساد کا اندیشہ اور آوارہ عورتوں کے لئے ایک جائے پناہ ہو سکتی تھی جس کا نتیجہ بُرا ہونا تھا پس اسلام چونکہ یہ نہیں چاہتا۔ کہ کوئی ایسا کام کیا جائے۔ جو فتنہ کا باعث ہو اس لئے عورتوں کی نسبت تحقیق کرنے کا حکم فرمایا۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ وہ اسلام کی خاطر آئی ہیں یا کسی اور وجہ سے +

فِيْ مَعْرُوْفٍ۔ معروف میں آپ کی نافرمانی نہیں کی جاویگی۔ کیا اس سے یہ بھی ثابت ہے کہ نبی کریم صلعم کسی بُرے کام کا حکم دیتے تھے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ اس میں بتلایا گیا ہے کہ جو کچھ بھی آپ فرماویں گے وہ نیک کام ہی ہو گا اور ہم اس میں آپ کی اطاعت کرینگی۔ خلیفہ کے لئے بھی یہی الفاظ ہیں مگر افسوس کہ لوگ وہاں نیک کام کے اور معنے کر لیتے ہیں +

قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ

تحقیق ناامید ہو گئے آخرت سے

کفار کو ایک لمحہ کے لئے بھی یہ امید نہیں ہے۔ کہ آخرت میں کچھ ملے گا۔ اس لئے وہ اس دُنیا کو ہی نفع کی جگہ سمجھتے ہیں اور اسی وجہ سے گناہ کرنے پر دلیر ہو جاتے ہیں۔ کہ اگلے جہان میں تو ہمیں کچھ ملنے کا نہیں۔ اس دُنیا میں جو کچھ مزے اُڑانے ہیں اُڑا لیں۔ پس اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ یہ لوگ تو اپنے گناہوں کی کثرت کو دیکھ کر آخرت میں کسی فائدے سے ناامید ہو گئے ہیں اس لئے اسی دُنیا کی زندگی میں عیش اُڑانا چاہتے ہیں۔ پس ایسے گناہ گاروں سے تعلق کبھی بابرکت نہیں ہو سکتا +

كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ

جیسے ناامید ہو گئے کافر قبروں والوں میں سے

اور ان کی ناامیدی تو ایسی ہی ہے جیسے ان کفار کی جو مر چکے ہیں اور قبروں میں ہیں کیونکہ مرنے کے بعد تو کافر کو اپنی جگہ کا علم ہو جاتا ہے۔ پس قبروں والوں میں سے کافر کو جس طرح اپنے لئے کسی بھلائی کی امید نہیں رہی اسی طرح ان کو جیتے جی ویسی ہی ناامیدی ہو گئی ہے۔ یہ معنے اس صورت میں ہیں کہ یہ آیت ان لوگوں کی نسبت مانی جائے جو قیامت کے قائلین ہیں اور مغضوب علیہم سے یہود مراد لئے جائیں جیسا کہ حدیث میں آیا بھی ہے +

سورۃ الصّف

(۱۴۔ اپریل سنہ ۱۴ء)

رکوع اوّل

یہ ایسی سورۃ ہے کہ میں نہیں سمجھتا اس کو پڑھ کر کسی

احمدی کا دل دھڑکنے سے رُک سکتا ہے۔ انسان کو جب عظیم الشان
خوشی نصیب ہوتی ہے تو اُس کا دل اُچھلنا شروع ہو جاتا ہے
اسی طرح رنج کے موقعہ پر ہوتا ہے اور یہ فطرت کا تقاضا ہے
کوئی اس سے مستثنےٰ نہیں ہو سکتا۔ چونکہ اس سورۃ میں ہمارے
احمدؐ (خدا کے ہزاروں ہزار درود اس پر ہوں) کا اور ہم
احمدیوں کا ذکر ہے اس لئے یہ تقاضائے فطرت ہمارا خوش
ہونا ایک جائز امر ہے +

مجھے اس سورۃ کے متعلق خدا تعالےٰ نے ایسے دلائیل
سمجھائے ہیں۔ کہ اگر کوئی انصاف سے کام لے۔ تو ہمارے دعوےٰ
کے سچا ہونے میں اس کو ذرا بھی شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔
اور وہ ان دلائیل کے سچا ہونے سے ہرگز انکار نہیں کر سکتا +

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ

کیوں وہ بات تم کہتے ہو جو نہیں کرتے

اس زمانہ میں یہ عیب بہت ہے اور یہ خاص بات ہے
کہ جو کچھ کسی کے دل میں آتا ہے کہتا جاتا ہے حالانکہ وہ اپنی
بات کے دلائیل بھی نہیں رکھتا۔ اور خود اس کا عملدرآمد اس
کی گفتار کے مخالف ہوتا ہے۔ کوئی نہیں کہتا کہ میں نے کبھی غلطی بھی
کی ہے اور غلطی کے جتلانے پر بجائے اس کی اصلاح کرنے
کے لڑائی پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اطاعت۔ فرمانبرداری اور
تحمل اُڑ گیا ہے۔ ہر ایک اپنا رعب داب جمانا چاہتا ہے
خدا مومنوں کو فرماتا ہے کہ تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو خود نہیں
کرتے۔ اس پر لوگوں نے بڑی ٹھوکر کھائی ہے۔ کہ اگر خود کوئی
کسی غلطی میں مبتلا ہو۔ تو اس کو کوئی حق نہیں کہ دوسرے کو نصیحت
کرے۔ اگر کسی کو کہا جائے کہ تم لوگوں کو نصیحت کیوں نہیں کرتے
تو کہتا ہے کہ میں خود گنہگار ہوں۔ کسی کو کیا کہہ سکتا ہوں۔ یہ بہت
بڑی غلطی ہے۔ کیا اگر ایک شخص شراب پیتا ہو تو وہ اپنی اولاد
کو منع نہیں کرتا۔ یا اگر وہ کسی اور بُرائی میں مبتلا ہو۔ تو اولاد کو
اس سے بچانے کی کوشش نہیں کرے گا۔ ضرور کرے گا۔ اور
اس کا فرض ہے کہ ایسا کرے +

اس میں شک نہیں کہ نصیحت اسی ناصح کی زود اثر
ہوتی ہے جس کا قول اور فعل ایک ہو اور وہ باعمل ہو۔ لیکن
یہ ضروری نہیں کہ اگر وہ سخت مجبوری کی وجہ سے کسی بُرائی کو چھوڑ
نہیں سکتا۔ تو دوسروں کو بھی تبلیغ نہ کرے۔ اور جب تک روحانی
ترقی کے تمام مراحل طے نہ کرتے جاویں کسی کو نصیحت کی کوئی
بات نہ بتائی جاوے۔ پوری ترقی تو اس دُنیا میں کسی نے بھی
حاصل نہیں کی۔ سب سے اولو العزم اور عظیم الشان انسان
تو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جب آپ کے
لئے آپ کی زندگی کے بعد بھی درود پڑھا جاتا ہے جس سے آپ
کی ترقی ہوتی رہتی ہے تو اور کون ہے۔ جو دُنیا میں ہی کامل بن
جائے۔ اور پھر لوگوں کو نصیحت کرنا شروع کرے۔ اس لئے
ہر ایک انسان کا فرض ہے کہ وہ دوسروں کو بُرائیوں سے منع
کرتا رہے اور نیکیوں کی تلقین کرے۔ جو آدمی اپنی بدعملیوں
اور بُرائیوں کا نتیجہ بھگت چکا ہو یا بھگت رہا ہو یا جو شخص
مجبوری کی وجہ سے گناہ کا مرتکب ہو رہا ہو وہ دوسروں کو نہایت
مدلل طور پر بُرائیوں سے آگاہ کر سکتا ہے کہ:۔

من نکردم شما حذر بکنید

اور ممکن ہے کہ جب وہ دوسروں کی اپنی نصیحت سے اصلاح
ہوتی دیکھے تو خود بھی اصلاح کرنا شروع کر دے +

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا

بڑی ہی ناراضگی کی بات ہے نزدیک اللہ کے کہ وہ کہو تم

مَا لَا تَفْعَلُوْنَ

جو نہیں کرتے

اللہ تعالےٰ کے نزدیک تمہارا وہ کہنا جو تم کرتے نہیں بڑی
ناراضگی کی بات ہے +

بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ۔ اینٹ سے اینٹ ایسی جڑی
ہوئی ہو کہ کوئی فرق نہ ہو +

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ

اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو اے قوم

لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ

کیوں ایذا دیتے ہو مجھے

صرف زبانی دعویٰ کرنا اور عمل کر کے نہ دکھانا کوئی کام کی بات

نہیں۔نبی کو یہ بڑی تکلیف ہوتی ہے کہ اس کے متبعین دعویٰ تو کریں۔لیکن کام اور عمل سے اس کی تصدیق نہ کریں دیکھو جب حضرت موسیٰ نے اپنی قوم کو کہا تھا کہ مجھے دُکھ نہ دو۔تو وہ باز نہ آئے۔اس سے ہلاک کئے گئے +

وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّیْ رَسُوْلُ

اور تحقیق تم جانتے ہو کہ میں رسول ہوں

اللّٰهِ اِلَيْكُمْ

اللہ کا تمہاری طرف

آں حضرتؐ کے سامنے عبداللہ بن ابی بڑے اخلاص اور عقیدت کا اظہار کیا کرتا تھا۔لیکن منافقوں کا سردار تھا جب اس کو فتنہ دُور کرنے کے لئے قتل کرنے کا ارادہ کیا گیا۔تو اس کا بیٹا جو بہت پکا مسلمان تھا۔رسول کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا۔کہ آپ مجھے اجازت فرماویں تا کہ میں اپنے باپ کو قتل کردوں۔اور اس کی وجہ یہ بیان کی کہ اگر کسی اور نے اس کو قتل کیا تو شائد مجھے اس کو دیکھ کر جوش آجائے اور انتقام کا خیال پیدا ہو لیکن جب میں خود ہی قتل کرونگا تو پھر ایسا خیال نہیں آئے گا۔جب عبداللہ نے یہ بات سُنی ہوگی تو کیسا اس کو دُکھ ملا ہوگا۔فرمایا پہلی قوموں کی مثالوں کو دیکھو اور نصیحت حاصل کرو +

وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِیْ

اور خوشخبری دینے والا ہوں اس رسول کی جو آئے گا

مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗ اَحْمَدُ

میرے بعد اس کا نام احمد ہوگا

حضرت مسیح نے یہ پیشگوئی فرمائی ہے کہ میرے بعد ایک رسول ہوگا۔اور اس کا نام احمد ہوگا۔یہاں ماضی کا لفظ رکھا ہے جس کے معنے ماضی کے ہی ہوتے ہیں۔لیکن جب وہ پیشگوئی میں آوے تو مضارع کے ہو سکتے ہیں۔یہ اس لئے نہیں کہ قواعد اس کی اجازت دیتے ہیں بلکہ اس لئے کہ زیادہ زور دینے کے لئے خدا تعالےٰ ماضی کا لفظ بیان فرما دیتا ہے کیونکہ اس کے علم میں تو وہ کام ہو ہی چکا ہوتا ہے۔انسان بھی جب کسی کو کسی کام کے متعلق یقین دلانا چاہتا ہے تو کہتا ہے کہ تو اس کام کو ہوا ہوا ہی سمجھ +

اب دیکھنا یہ ہے کہ احمد کس کا نام ہے۔میرا مذہب ہے کہ دُنیا میں جس قدر پاک نام ہیں وہ سب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہیں۔کیونکہ خدا کا کامل مظہر رسول کریم صلعم ہی ہیں۔باقی انبیا خدا کی کسی ایک ایک صفت کو ظاہر کرنے والے ہوئے ہیں۔سب سے بڑا سخی۔سب سے بڑا بہادر۔سب سے بڑا نیک اور متقی۔سب سے بڑا معرفت والا۔سب سے بڑا معلم۔سب سے بڑا خدا کا فرمانبردار سب سے بڑا مزکی۔غرضکہ کوئی خوبی ایسی نہیں جس میں آپ سب سے بڑھ کر نہ ہوں۔پس آپ محمدؐ بھی تھے اور احمدؐ بھی۔لیکن ماں باپ نے آپ کا نام احمدؐ نہیں رکھا۔جمالی رنگ میں آپ کا نام احمدؐ تھا۔لیکن اصل اسم مبارک محمدؐ ہی تھا۔کیونکہ

(۱) قرآن میں آپ کو احمدؐ کر کے کہیں نہیں پُکارا گیا +

(۲) عبادات اور دُعاؤں میں محمدؐ (صلے اللہ علیہ وسلم) ہی آیا ہے +

(۳) آپ کے چچا۔عرب لوگ اور صحابہ میں سے کبھی کسی نے احمدؐ نہیں کہا +

(۴) یوم وصال تک خطوط میں آپ نے محمدؐ ہی لکھایا

(۵) آپ نے کبھی کسی کو ہدایت نہ کی۔کہ مجھے احمدؐ کہو

اس سے ثابت ہے کہ آپ کا نام احمدؐ نہ تھا۔بلکہ احمدؐ صفت تھی۔لیکن حضرت مسیح تو کہتے ہیں کہ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗ اَحْمَدُ یعنی میرے بعد جو آئے گا۔اس کا نام احمدؐ ہوگا۔اب ہم دیکھتے ہیں کہ احمدؐ کس کا نام ہے۔احمدؐ وہ ہے۔جس نے کہا کہ کہو کہ احمدؐ کے ہاتھ پر میں بیعت کرتا ہوں اور بیعت کنندوں کو کہا کہ تم احمدی کہلاؤ۔اگر کوئی کہے کہ ان کا نام تو غلام احمدؐ تھا۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ غلام تو ایک خاندانی لفظ ہے جو نام کے ساتھ شروع سے چلا آتا ہے حضرت مسیح موعودؑ کے باپ کا نام غلام مرتضیٰ۔چچا کا نام غلام محی الدین۔بھائی کا نام غلام قادر تھا۔اور یہ لفظ سب کے ناموں میں مشترک ہے۔اصل نام وہی ہے جو غلام

کو علیحدہ کر کے ہے۔ جس طرح میرے اور میرے بھائیوں اور چھوٹے بچوں کے نام میں احمدؐ کا لفظ مشترک ہے لیکن یہ اصل نام نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم احمدؐ کی اولاد سے ہیں۔ شاید کوئی کہے کہ حضرت مسیح موعود کے والد نے ان کا تمام نام ہی قرار دیا ہے۔ لیکن یہ بھی درست نہیں۔ کیونکہ انھوں نے اپنے دونوں لڑکوں کے ناموں پر دو گاؤں آباد کئے ہیں۔ جن میں سے ایک کا احمد آباد اور دوسرے کا قادر آباد نام رکھا۔ غلام احمد آباد اور غلام قادر آباد نام نہ رکھے پس

(۱) احمد کے ہاتھ پر بیعت کرنا۔

(۲) جماعت کا نام احمدی رکھنا۔

(۳) گاؤں کا نام احمد آباد رکھا جانا۔

(۴) حضرت مسیح موعود کا احمد نام بتانا ثابت کرتا ہے کہ احمدؐ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ہی نام ہے +

حضرت مسیح نے کہا تھا کہ میں دوبارہ آؤنگا۔ اور عربی میں دوبارہ آنے کو احمد کہتے ہیں۔ یہ ایک محاورہ ہے کہ العود احمد کیونکہ دوبارہ آنے میں تجربہ زیادہ ہو جاتا ہے اور کام پہلے کی نسبت زیادہ اعلیٰ اور اکمل ہوتا ہے۔ اسی لئے حضرت مسیح موعود نے فرمایا ہے

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو   اس سے بہتر غلام احمدؐ ہے

بعض لوگ کہتے ہیں کہ مسیح موعود علیہ السلام حضرت مسیح کے بعد تو نہیں آئے۔ لیکن اس طرح بعد تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی نہیں آئے۔ کیونکہ وہ بھی چھ سو سال گذرنے کے بعد آئے ہیں۔ بعد کے یہ معنے نہیں کہ ساتھ ہی آوے۔ بلکہ بعد کے معنے اس پیشگوئی کے بعد کے ہیں پس مسیح موعود بعد میں نہیں آئے تو کیا پہلے آئے ہیں +

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ

اور کون زیادہ ظالم ہے اُس شخص سے جو افترا کرتا ہے اللہ پر

الْكَذِبَ

جھوٹا

جب مسیح آگیا۔ تو لوگوں نے اس کو (نعوذ باللہ) مفتری کہنا شروع کیا۔ یہ وعید منکروں کے لئے نہیں بلکہ مدعی کے لئے ہے اور قرآن شریف میں یہ آیت جہاں آئی ہے مدعی کے لئے ہی آئی ہے اور اگر کفار کی نسبت بھی آئی ہے تو پہلے ان کا دعویٰ بیان کیا ہے اور اس جگہ کفار کا انکار بیان کیا گیا ہے کہ جب وہ احمد آیا تو انھوں نے کہدیا کہ یہ تو جھوٹا ہے پس منکر کی نسبت یہ آیت نہیں ہو سکتی۔ سب جانتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود ہمیشہ اپنے زمانہ میں اسی آیت کو پیش کر کے مخالفوں پر حجت کیا کرتے تھے کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو تباہ کیوں نہیں ہو جاتا اور یہ کہ اگر میں مفتری ہوتا۔ تو مجھے اس قدر بڑھنے کی مہلت نہ دی جاتی۔ باوجودیکہ تمہارے پاس اپنے خیال میں صداقت ہے۔ اور مجھے اپنی طرف بلاتے ہو لیکن میں نہیں آتا۔ اس لئے چاہیئے تھا کہ خدا مجھے ہلاک کر دیتا لیکن ایسا نہیں ہوا +

وَهُوَ يُدْعٰى اِلَى الْاِسْلَامِ

اور درآنحالیکہ وہ پکارا جاتا ہے طرف اسلام کی

درآں حالیکہ وہ پکارا جاتا ہے اسلام کی طرف۔ یعنی اس کو لوگ اسلام کی طرف بلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسلام کی طرف آ۔ اور تو کافر نہ بن۔ یہ وہی شخص ہو سکتا ہے جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد آئے۔ کیونکہ اس کے آنے کے وقت لوگوں میں اپنے خیال کے مطابق اسلام موجود ہوگا۔ جب مسیح موعود نے دعویٰ کیا۔ تو لوگوں نے کہا کہ تم اسلام سے کیوں نکلتے ہو۔ آخر کفر کا فتویٰ دیکر ثابت کر دیا کہ انھوں نے مسیح موعود کو اپنے نزدیک اسلام سے خارج کر دیا ہے۔ وَهُوَ يُدْعٰى اِلَى الْاِسْلَامِ کے زائد کرنے سے اس بات پر زور دیا ہے کہ اگر یہ شخص جھوٹا ہے تو اسے تباہ ہو جانا چاہیئے۔ خصوصاً ایسے وقت میں کہ اس کے مخالفین اس کے سامنے صداقت بھی پیش کرتے ہیں کیونکہ صداقت کے موجود ہوتے جو شخص کذب اختیار کرے تو وہ اس شخص سے زیادہ سزا کا مستحق ہے۔ جس کے سامنے صداقت نہ ہو اور وہ گمراہ ہو جائے۔ پس اگر تم لوگ صداقت پیش کرتے ہو۔ اور وہ نہیں مانتا تو اُسے بہت جلد تباہ ہو جانا چاہیئے تھا +

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ

چاہتے ہیں کہ بجھادیں اللہ کے نور کو

بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ

ساتھ اپنے مونھوں کے اور اللہ پھیلانے والا ہے اپنے نور کو

وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ

اگرچہ بُرا لگے کافروں کو

لوگ ارادہ کرتے ہیں کہ بُجھا دیں اللہ کے نور کو اپنے مُنہ کے ساتھ۔ لیکن اللہ اپنے نور کو پھیلائے گا۔ اگرچہ مُنکر لوگوں کو بُرا ہی معلوم ہوتا رہے۔ یہ صاف اس زمانہ کے متعلق ہے رسول کریم کے وقت لوگ مونہوں سے اسلام کو روکنا نہیں چاہتے تھے بلکہ تیغ وسنان سے۔ اُس وقت مسلمانوں کے مٹانے کے لئے تلوار اُٹھائی گئی تھی۔ لیکن مُنہ سے مسیح موعود کے وقت ہی لوگوں نے بجھانا چاہا ہے اور ناکام رہے ہیں۔ مولوی محمد حسین بٹالوی نے بھی خیال کیا تھا کہ ایک کفر کا فتویٰ لگ گیا تو یہ سلسلہ تباہ ہو جائے گا پر وہ کیا کر سکا۔ مسیح موعود کے خلاف ہی لیکچروں ٹریکٹوں اور رسالوں کا سلسلہ جاری کیا گیا۔ لیکن خدا نے ہر ایک پہلو سے مُنکرین کو نیچا دکھایا +

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ

وہی ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو

بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ

ساتھ ہدایت کے اور دینِ حق کے تاکہ غالب کرے اسے

عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ

اوپر دین سب کے (دین کو یا رسول کو)

وہی ہے جس نے رسول کو بھیجا ہدایت کے ساتھ تاکہ سچے دین کو یا رسول کو سب پر غالب کرے +

تمام مفسّر یہاں آکر کہہ دیتے ہیں کہ یہ زمانہ مسیح موعود کا ہے جبکہ تمام دین کھُل جائینگے اور یہ بالکل ٹھیک ہے کیونکہ رسول کریم کے وقت صرف دو تین ہی مذہب تھے لیکن آجکل کئی ہزار مذہب پیدا ہو گئے ہیں۔ انسکلوپیڈیا آف ریلیجنز میں ہزاروں کی تعداد میں مذہب لکھے جا رہے ہیں۔ اس آیت میں لیظھرہٗ ہی رکھا ہے یعنی اس وقت جو تمام ادیان پر غلبہ ہوگا۔ تو وہ نبی کریم صلعم کا ہی ہوگا۔ لیکن کس کے ذریعے۔ مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعے۔ پھر خدا تعالےٰ نے ایک دلیل مجھے اور سمجھائی ہے کہ یہ آیت مسیح موعود کی نسبت ہے اور وہ یہ کہ یہ آیت قرآن کریم میں تین جگہ آئی ہے اور تینوں جگہ مسیح کا ساتھ ذکر ہے۔ (۱) سورہ توبہ رکوع ۵ میں۔ (۲) سورہ فتح رکوع ۴ میں۔ اور (۳) اس جگہ۔ ان تینوں جگھوں میں مسیح کا ذکر بھی ہے۔ دو جگہ تو صاف نام ہے۔ اور سورہ فتح میں انجیل کا نام لکھ دیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ مسیح نے دوبارہ آنا تھا۔ اور یہ واقعات اس کو پیش آنے تھے۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ یہ آیت قرآن کریم کے مختلف حصّوں میں آئے اور ہر جگہ پر مسیح کا ذکر اس کے ساتھ کیا جائے +

رکوع دوم

(۱۵- اپریل ۱۹۱۴ء)

هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ

کیا مطلع کروں میں تم کو اوپر ایسی تجارت کے

تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ

جو نجات دے تم کو عذاب دردناک سے

اللہ تعالےٰ نے حضرت مسیح موعود کے زمانہ کے لئے یہ ایک تخصیص بیان فرمائی ہے کہ اس زمانہ میں تجارت کثرت سے ہوگی اور لوگ دین کو بُھلا کر دُنیا میں منہمک ہو جائینگے اس وقت مسیح موعود مومنوں کو کہے گا۔ کہ اے لوگو تم جو دُنیا کی تجارت کی طرف جھکے ہوئے ہو کیا میں تمہیں وہ تجارت نہ بتاؤں جس سے تم عذاب الیم سے نجات پا جاؤ۔ اور تم کو سُکھ نصیب ہو۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود نے تجارت یہ بتائی۔ کہ دین کو دُنیا پر مقدم کرو۔ اسی بات کا اقرار ہر ایک سے بیعت کرتے وقت کروایا۔ تجارت میں بہت غفلت کے اسباب موجود ہوتے ہیں۔ اور خاصکر آجکل تو لوگ تجارت کی وجہ سے خدا کو بالکل بھُلا بیٹھے ہیں۔ موجودہ زمانہ سے پیشتر تجارت کو کبھی ایسا فروغ نہیں ہوا۔ ڈاک۔ تار۔ ریل

جہازوں کے ذریعے تجارت عروج پر پہنچ گئی ہے۔ پہلے ایسا کوئی ذریعہ تجارت کو ترقی دینے کے لئے نہ تھا۔ آجکل کے تجار دولت میں شاہانِ زمانہ سے بہت بڑھے ہوئے ہیں۔ لیکن جس قدر دُنیاوی کاروبار اور تجارت میں لوگوں نے ترقی کی ہے۔ اس سے بہت زیادہ دین میں غفلت روا رکھی گئی ہے۔ یہی وجہ تھی اور صرف یہی وجہ تھی۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیعت میں یہ اقرار لیا۔ کہ میں دین کو دُنیا پر مقدم رکھوں گا۔ اور تجارت اللہ پر ایمان۔ رسول پر ایمان۔ اور اللہ اور رسول کی باتوں کو سچا سمجھ کر اُن پر عمل کرنا مسیح موعود نے بتلائی۔ مسلمانوں کی ابتری اور سستی کا علاج مختلف طبیبوں نے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق الگ الگ بتایا۔ لیکن نسخہ اسی حکیم کا کارگر ہوا جس نے واقعی طور پر بیماریوں کو شناخت کر لیا۔ اس لئے یہ اس کی سچائی کی ایک زبردست دلیل ہے۔ سر سید احمد خان نے یہ علاج سوچا۔ کہ مدارس۔ کالج اور یونیورسٹیاں بنائی جاویں اور تعلیم جدید سے یورپ کی طرح ترقی کے مدارج طے کئے جاویں۔ لیکن یہ مسلمانوں کا معالج ایک نو مسلم نائب کی بددیانتی سے اتنا کبیدہ خاطر ہوا۔ کہ آخر اسی صدمہ کی وجہ سے وفات پائی۔ بعض نے یہ علاج بتایا کہ تجارت کو وسیع پیمانہ پر مسلمانو میں رواج دیا جائے بڑی بڑی کوٹھیاں اور کمپنیاں بنائی جاویں مگر مال کی کمی سے کامیاب نہ ہو سکے۔ بعض نے کہا کہ تجارت صنعت و حرفت پر چلتی ہے۔ ملک میں فیکٹریاں اور کارخانجات جاری کرنے چاہئیں مگر یورپ کے کارخانہ دار چونکہ اپنی ملکی گورنمنٹ کے دفتروں میں ان سے زیادہ دخیل ہو سکتے تھے اور ان کے مقابلہ میں یہ کامیاب نہ ہو سکتے تھے اس لئے اس میں بھی ناکام رہے اور وہیں کے وہیں رہ گئے۔ بعض نے کہا کہ تمام دُنیا کے مسلمانوں میں باہمی تعلقات مستحکم کئے جاویں۔ اور اس کے لئے پین اسلام۔ م سوسائٹی بنائی گئی۔ مگر یورپ کی دھمکی سے وہ بھی دب گئے۔ بعض نے کہا کہ اسلامی حکومتوں اور سلطنتوں کو مستحکم کرنا چاہیئے اور ان کی امداد کے لئے انجمن خدام کعبہ بنائی گئی۔ کہ روپیہ جمع کر کے ترکوں کو دیا جا تاکہ وہ جہاز بنا کر اپنی سلطنت کو مضبوط کریں۔ مگر گورنمنٹ کے خوف سے تمام جوش اور سرگرمی سرد پڑ گئی اور آخر گورنمنٹ سے استمزاج کرنا پڑا۔ غرضکہ جو جو کسی نے علاج سوچا۔ وہ اس میں ناکام رہا۔ ہاں اگر کوئی کامیاب ہوا۔ تو وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ہی وجود باجود تھا۔ جس نے مخالفین اسلام کے ناطقے بند کر دیئے۔ اور ایک بڑی جماعت تیار کر لی۔ لیکن مادی ذرائع سے نہیں بلکہ روحانی طریقہ سے +

تُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

جہاد کرو بیچ رستہ اللہ کے

بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ

ساتھ اپنے مالوں کے اور اپنی جانوں کے

یورپ کو اپنی بندوقوں توپوں اور دیگر اسلحہ پر ناز اور فخر تھا اور ہے اور ناممکن ہے کہ کوئی قوم اس وقت یورپ کا مقابلہ مادی چیزوں سے کر سکے۔ اسی لئے حضرت مسیح موعود نے بتایا۔ کہ یہ چونکہ مذہب کی طرف سے بالکل بے پرواہیں تم اپنی کوششیں ان کے دین کے مقابلہ میں لگا دو۔ جب ان کے مذہب پر فتح حاصل کر لوگے تو ان کے دل تمہارے ماتحت ہو جائینگے۔ پھر وہ اپنے اموال اور انفس سے تمہاری مدد کرنے لگیں گے۔ یہی سبب ہے کہ احمدیوں سے عیسائی ڈرتے ہیں۔ کیونکہ یہ جماعت باطل مذہبوں کے استیصال اور ان کو بیخ و بن سے اکھیڑنے کے لئے قائم ہوئی ہے +

يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ

معاف کرے گا تمہارے لئے گناہ تمہارے

تمہارے ساتھ اللہ تعالےٰ نیا عہد باندھے گا۔ اور تمہارے پہلے قصوروں کو معاف کرے گا۔ جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ عہد جدید شروع ہوا تھا۔ تو ان یہودیوں کے گناہ جو کہ عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے عفو کر دیئے گئے تھے اسی طرح مسلمان اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان لے آئیں۔ تو گزشتہ تقصیریں معاف کر دی جائینگی +

عَدْنٍ۔ عَدَنَ الْمَكَانَ۔ اقامہ۔ مکان میں ٹھہر گیا + جَنّٰتِ عَدْنٍ۔ یعنی ہمیشہ رہنے والے باغات +

نَصْرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ

مدد اللہ سے اور فتح نزدیک

یہ کوئی اتفاقی فتح اور کامیابی نہ ہوگی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پے در پے فتوحات حاصل ہونگی۔ اور خدا کی طرف سے بطور مدد کے یہ کامیابیاں دی جائینگی +

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْٓا

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ہو جاؤ

اَنْصَارَ اللّٰہِ

مددگار اللہ کے

حضرت خلیفۃ المسیح (خدا کے ہزار ہزار درود ان پر ہوں) قرآن کریم کی بہت عزت کیا کرتے تھے جب ہمنے انجمن انصار اللہ کے قواعد آپ کے سامنے پیش کئے۔ حالانکہ آپ ہمارے آقا اور مطاع تھے اور ہم ان کے ماتحت تھے۔ تو آپ نے فرمایا کہ میرا نام بھی انصار اللہ میں لکھ لو۔ میں بھی آپ کے انصار میں ہوں۔ بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ تم نے انصار اللہ کی ایک جماعت بنائی ہے تو کیا جو اس میں شامل نہیں وہ اعداء اللہ ہیں۔ لیکن یہ ان کی غلطی تھی۔ مثلاً ایک آدمی کا نام رحمت اللہ ہے۔ تو کیا باقی غضب اللہ ہیں ہرگز نہیں۔ اچھا نام بطور تفاؤل اور دُعا کے ہوتا ہے کہ خدا ہمیں ایسا کرے۔ اچھا نام اِس لئے نہیں ہوتا۔ کہ دوسروں کو اس صفت سے محروم سمجھا جاتا ہے۔ ایک مجلس کا نام مجلس معتمدین ہے۔ تو دوسرے غیر معتمد نہیں ہوسکتے۔ حضرت خلیفۃ المسیح نے مجمع احباب بنایا تھا۔ تو کیا دوسرے لوگ مجمع اعداء تھے جو کوئی اپنے لئے پسند کرے گا وہ اچھا نام ہی پسند کرے گا اس پر اعتراض کرنا حماقت ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ والوں کو انصار اللہ کہا۔ اور مکہ والوں کو مہاجرین۔ پھر نام پہچاننے کے لئے رکھے جاتے ہیں۔ مہاجرین کا حق نہ تھا۔ کہ کہتے ہمیں کیوں انصار اللہ نہیں کہا جاتا۔ کیا ہم اعداء اللہ ہیں +

مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ

کون ہے مددگار میرا طرف اللہ کے

اللہ پر ایمان لاؤ۔ رسول پر ایمان لاؤ اور اُن کی تمام باتوں کو سچا یقین کرو۔ مال و اموال سے فی سبیل اللہ لگ جاؤ۔ یہ مسیح موعود کی آواز ہے کہ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ۔ اس کا جواب تم لوگ۔ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ سے دو۔ خدا نے اپنے فضل سے یہ سہرا احمدیوں کے سر باندھا ہے۔ اور وہی سلسلہ کی حفاظت کرے گا۔ ہمیں خوش ہونا چاہئیے۔ مگر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ہماری ذمہ واری بھی بہت بڑھ گئی ہے۔ خدا سے ڈرتے رہو اور امید بھی رکھو۔ کیونکہ الایمان بین الخوف والرجاء +

سورۃ الجمعہ

رکوع اوّل

(۱۶۔ اپریل سنہ ۱۹۱۴ء)

یہ سورۃ بھی بہت کچھ اس زمانہ کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور نیز (۱) مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق (۲) مسئلہ خلافت کے متعلق (۳) مسیح موعود کے خلیفوں کے متعلق۔ (کہ بعض خلفاء اس کی اولاد سے ہونگے) روشنی ڈالتی ہے +

اس سورۃ میں جمعہ کا ذکر ہے۔ قرآن کریم میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ موجودہ دُنیا کی کتنی عمر ہے اور کب سے یہ بنی ہے اور نہ ہی حدیثوں میں رسول کریم نے خدا کی طرف سے یا اپنی طرف سے کوئی خبر دی ہے۔ مگر اور قرائن ایسے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی عمر سات ہزار سال کی ہے۔ اور وہ قرائن یہ ہیں (۱) صحابہ کی خوابیں اور کشف (۲) تورات کی شہادۃ لیکن اس سے یہ یقین نہیں کیا جا سکتا۔ کہ اس جہان کی عمر سات ہزار سال ہے اور اس عرصہ سے پہلے کچھ نہ تھا کیونکہ بعض ایسی ایسی چیزیں دستیاب ہوئی ہیں جن کی تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اشیاء لاکھوں برسوں کے بعد اس

طرح نبی ہیں حضرت محی الدین عربی بڑے بزرگ تھے وہ لکھتے ہیں کہ مینے مصر کے میناروں پر ایک کتبہ جو کسی پرانی زبان کا تھا توجہ کے ذریعہ پڑھا تو معلوم ہؤا کہ وہ تین لاکھ سال ہوئے تیار ہؤا تھا۔ انھوں نے اپنی کتاب میں جو کہ سات آٹھ سو سال کی لکھی ہوئی ہے۔ اور بھی بہت سی باتیں لکھی ہیں۔ امریکہ کے متعلق بھی انھوں نے ہی سب سے پہلے کشف کے ذریعہ بتایا تھا کہ اسپین سے پرے ایک اور ملک ہے جو سمندر کے پرے ہے۔ وہ فرمانے لگے کہ لوگ تو کہتے ہیں کہ سپین کے پرے سمندر ہی سمندر ہے حالانکہ مجھے تو اس سے پرے ایک بہت بڑا ملک نظر آتا ہے۔ آپ کے مریدین میں یہ روایت مشہور تھی ان میں سے کسی نے ایک عرصہ کے بعد یہ بات کولمبس سے بیان کی۔ اور وہ اس راہ سے ہندوستان دریافت کرنے کے لئے تیار ہوگیا۔ محی الدین ابن عربی سپین کے ہی باشندے تھے۔ کولمبس پر پادریوں نے اسی وجہ سے کفر کا فتویٰ لگایا۔ کہ یہ غیروں کی باتوں کو مانکر عیسائیت کے خلاف کہتا ہے۔ کیونکہ بائبل کے رو سے ان کے خیال میں زمین چپٹی تھی۔ مَیں دُنیا کی عمر سات ہزار سال بھی ٹھیک سمجھتا ہوں۔ لیکن یہ نہیں کہ اس سے پہلے خدا فارغ بیٹھا ہؤا تھا بلکہ ہم دونوں باتوں کو یُوں مطابقت دے سکتے ہیں کہ دُنیا تو نامعلوم کب سے چلی آتی ہے لیکن اس میں خدا تعالےٰ نے کچھ دَور مقرر کر دیئے ہیں اور ایک دور سات ہزار سال کا ہوتا ہے اس کے بعد ایک خاص قیامت آجاتی ہے۔ اب ہم بھی ایک دُنیا کے ساتویں ہزار میں ہیں جس طرح چھ دنوں کے بعد ساتواں دن آرام کے لئے جمعہ آتا ہے۔ اسی طرح یہ زمانہ آرام کا ہے۔ اور دُنیا کی ہر ایک قسم کی ترقی اس میں ہو رہی ہے۔ ساتویں ہزار کا آدم مسیح موعود ہے۔ اسی زمانہ میں چونکہ مسیح موعود نے آنا تھا۔ اس لئے اس سورۃ میں ساتویں دن کا ذکر فرمایا۔ حدیثوں میں آیا ہے کہ مسیح موعود کے بعد قیامت آئیگی۔ اسلئے اس دور کی قیامت قریب ہی ہے ؛

مَلِكِ الْقُدُّوسِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ

مالک پاک غالب حکمت والا

چونکہ اس زمانہ میں مسیحیت کا زور ہونا تھا۔ اس لئے خدا نے اپنی یہ چار صفتیں بیان فرمائی ہیں (۱) خدا مالک اور کلی اختیارات رکھنے والا ہونا چاہیے نہ کہ مسیحیوں کے خدا کی طرح جس کو ایک عورت نے کہا تھا کہ جب تجھ کو بادشاہت ملے گی تو میرے بیٹوں کو دائیں اور بائیں بٹھانا۔ لیکن مسیح نے کہا کہ یہ میرے اختیار میں نہیں ہے بلکہ خدا کے اختیار میں ہے (۲) خدا پاک ہونا چاہیئے۔ لیکن مسیح کہتا ہے کہ میں نیک نہیں ہوں۔ نیک وہ ہے جو آسمان پر ہے (۳) خدا ہر ایک چیز پر غلبہ رکھنے والا ہونا چاہیئے۔ لیکن مسیح کو تو یہود نے سولی پر لٹکا دیا۔ اور کانٹوں کا تاج سر پر رکھا۔ (۴) خدا کے کاموں میں حکمت ہونی چاہیئے۔ کوئی اس کا کام بیکار اور بے فائدہ نہ ہو۔ لیکن مسیح کے کاموں میں کچھ حکمت نہ تھی۔ وہ دُنیا کے لئے ہدایت ہو کر آیا۔ لیکن اسے کوئی کامیابی نہ ہوئی اس لئے اس کا کام عبث نکلا۔ ان چار صفات کے مقابلہ میں مسیح کی الوہیت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں مسیحی صاحبان اس کا کوئی جواب نہیں دے سکتے کہ (۱) مسیح کی بادشاہت ثابت کرو (۲) اس کی پاکیزگی اور طہارت کو ثابت کرو (۳) اس کا غلبہ ثابت کرو۔ (۴) اس کے کاموں میں حکمت ثابت کرو۔ یہ سوالات عیسائیوں کے مقابلہ میں ایک عجیب حربہ ہیں ؛

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ

وہی ہے جس نے برپا کیا بیچ اُمّیوں کے

رَسُولًا مِّنْهُمْ

رسول اُن میں سے

اسلام کا خدا پاک اور حکمت والا خدا ہے۔ چنانچہ جس مسیح کو اسلام نے پیش کیا وہ ناکام نہیں رہا۔ اور نہ اس کو کوئی تکلیف پہنچا سکا۔ یہ بھی بتا دیا کہ گو اس زمانہ میں عیسائیوں کا غلبہ ہوگا۔ اور وہ بڑے تدبر سے کام کرتے ہونگے۔ لیکن احمدیوں کے ساتھ تمام صفات حسنہ سے متصف خدا ہے اس لئے یہی کامیاب ہونگے تلوار سے نہیں بلکہ اشاعت دین کے ذریعہ۔ خداوند تعالےٰ تو فرماتا ہے کہ مینے تم پر فضل کیا کہ تم میں سے ہی رسول بھیجا۔ لیکن مسلمانوں میں جب اپنے میں سے رسول آیا ہے تو خدا کے اس احسان کو رد کر رہے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہمیں اپنے

میں سے رسول نہیں چاہیئے بلکہ آسمان سے بنی اسرائیل کا رسول آنا چاہیئے +

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ

پڑھتا ہے اوپر اُن کے آیات اُسکی اور پاک کرتا ہے انہیں

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

اور سکھاتا ہے انہیں کتاب اور حکمت

رسول کے یہ کام خدا تعالےٰ نے بیان فرمائے ہیں۔ اور رسول کے خلیفہ کے بھی یہی کام ہوتے ہیں کہ (۱) لوگوں پر وہ ایسی چیزیں پڑھے گا کہ وہ خدا کی طرف توجہ کرینگے۔ اور خدا کی ہستی۔ ملائکہ۔ انبیاء۔ جزا و سزا۔ بہشت و دوزخ پر ایمان لائینگے (۲) يُزَكِّيْهِمْ۔ ان کو پاک کرے گا۔ کہیں جگہ تو يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ کے بعد آیا ہے۔ اور کسی جگہ پہلے۔ جسکی وجہ یہ ہے کہ بعض فطرتیں تو ایسی ہوتی ہیں کہ جب ان کو آئتیں سُنائی جاتی ہیں تو اسی وقت تزکیہ نفس کرنا شروع کر دیتی ہیں اور بعض آہستہ آہستہ عمل کے بعد تزکیہ حاصل کرتی ہیں (۳) يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ۔ کتابت سکھلائے گا یعنے علوم کی طرف متوجہ کرے گا۔ فرائض بتائے گا۔ اور نیک عمل کرائے گا (۴) حکمت۔ پکی باتیں۔ حدیث۔ شریعت کے اسرار۔ کہ نماز کیوں پڑھی جاتی ہے۔ اور اس کے کیا فوائد ہیں۔ وغیرہ وغیرہ +

اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ۔ جس طرح آنحضرت نے پہلے لوگوں کو یہ باتیں سکھائی تھیں۔ اسی طرح ان کے بعد آنے والوں کو بھی سکھائی جائینگی۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ رسول کریم تو فوت ہو چکے ہیں۔ پھر بعد میں آنے والے لوگوں کو کون سکھائے گا اس کے لئے فرمایا:۔

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ کہ خدا زبردست حکمت والا ہے وہ کوئی انتظام کر دے گا۔ پس اس نے مسیح موعود کے ذریعے یہ باتیں سکھائیں۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے مسیح موعود کے زمانہ کو رسول کریم کے زمانہ سے مشابہت دی ہے۔ اس لئے آپ کے بعد بھی وہی ہونا چاہیئے جو آنحضرتؐ کے بعد ہوا۔ آپ بیشک مسیح تھے مگر مسیح غیروں کے لئے تھے اپنوں کے لئے مہدی تھے یعنے بروز محمد صلے اللہ علیہ وسلم۔ پس آپ کے زمانہ کو درحقیقت آنحضرتؐ کا ہی زمانہ قرار دیا گیا ہے نہ کہ کسی اور کا۔ اور اللہ تعالےٰ نے احمدی جماعت کو صحابہ سے تشبیہ دی ہے پس تم صحابہ کی مثال بنو۔ حدیث سے ثابت ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب سورہ جمعہ نازل ہوئی۔ تو اُس وقت رسول کریم سے سوال کیا گیا کہ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ کون ہیں۔ آپ نے سلمان فارسی کی پیٹھ پر جو کہ پاس بیٹھے ہوئے تھے ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ لو کان الایمان معلقاً بالثریا لناله رجال من هٰؤلاء۔ اگر ایمان ثریا سے بھی معلق ہو گا تو ان لوگوں میں سے کچھ آدمی اس کو واپس لے آئینگے۔ رجال جمع کا صیغہ ہے جو کم از کم تین پر حد دو پر بولا جاتا ہے۔ رسول کریم نے حضرت سلمان کی اولاد سے کئی آدمی بتائے جو کہ اگر ایمان ثریا پر بھی چلا جائے گا۔ تو واپس لے آئینگے۔ اور حضرت مسیح موعود نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ میں حضرت سلمان کی اولاد سے ہوں اور خدا تعالےٰ نے الہام کے ذریعہ آپ کو بتایا کہ تم ابنائے فارس سے ہو اور آپ نے دعویٰ کیا ہے کہ میں ہی اس حدیث کا مصداق ہوں۔ اس لئے ایک تو آپ اس حدیث کے مصداق ہوئے۔ لیکن چونکہ یہاں جمع کا لفظ ہے۔ اس لئے ضرور تھا کہ آپ کی اولاد سے بھی بعض وجود ہوتے جو آپ کے کام کو پورا کرتے تا یہ حدیث پوری ہوتی کہ لناله رجال من هٰؤلاء اس وقت کوئی اور خاندان نہیں جو کہہ سکے کہ میں ان ابنائے فارس سے ہوں جن کی نسبت حدیث میں وعدہ تھا۔ اور ہمارے خاندان کی نسبت تو خدا کی گواہی ہے۔ فارس کے نبی زرتشت نے بھی پیشگوئی کی تھی کہ میری اولاد سے ایک نبی میسیا نامی ہو گا جو کہ شیطان سے آخری جنگ کرے گا۔ اور وہ جنگ تلوار سے نہیں ہو گی۔ بلکہ دُعاؤں سے ہو گی۔ یہ نام مسیح سے بہت ملتا ہے +

حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا

اُٹھوائے گئے تورات پھر نہ اُٹھایا انھوں نے اُسکو

حکم دیا گیا تھا کہ تورات پر عمل کرو لیکن اُنھوں نے عمل نہیں کیا۔ اور وہ اس کے معنے نہیں سمجھتے۔ یہ مسلمانوں کو بتایا کہ تم قرآن کو اُٹھائے ہوئے ہو گے لیکن جو کچھ اس کے اندر ہے اس کو نہیں سمجھو گے۔ آجکل قرآن جھوٹی قسمیں کھانے کے لئے یا قیمتی غلافوں میں لپیٹ کر رکھنے کے کام آتا ہے لیکن اس پر عمل نہیں

کیا جاتا +

اَسْفَار۔ سِفْر بڑی کتاب کو کہتے ہیں۔ اسفار اس کی جمع ہے +

فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ

پس تمنا کرو تم موت کی

یہ مباہلہ کا طریق ہے۔ جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسا رائج نہیں ہوا تھا۔ جیسا کہ مسیح موعود کے زمانہ میں ہوا ہے۔ مسیح موعود کے سامنے بھی باوجود کئی بار بلانے کے کوئی نہ آیا۔ اور آں حضرت کے وقت بھی مقابل میں آنے کی کسی کو جرأت نہ ہوئی +

وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ

اور نہ تمنا کریں گے اسکی ہرگز بسبب اسکے جو آگے بھیجا ہے

اَيْدِيْهِمْ

ہاتھوں ان کے نے

یہ بدمعاش کبھی مباہلہ کے لئے نہیں آئینگے کیونکہ انکو اپنے اعمال کی خوب خبر ہے۔ مولوی ثناء اللہ نے مسیح موعود کے ساتھ مباہلہ سے انکار کیا اور کہا کہ کسی کا پہلے مرجانا کوئی صداقت کی دلیل نہیں۔ یمدھم فی طغیانھم یعمھون۔ خدا نے اس کے اپنے بنائے ہوئے معیار کو قبول کرلیا اور اس کو زندہ رکھا۔ بعض لوگوں نے اس معیار کو سچا سمجھا کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں مرجاتا ہے اور اپنے مرنے کی دُعا کی۔ تو خدا نے ان کو مار کر مسیح موعود کی صداقت کو ثابت کردیا۔ جس جس معیار کو کسی نے پسند کیا اسی کے مطابق اس سے سلوک ہوا +

فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ

پس ضرور وہ (موت) ملنے والی ہے تم کو

اس لئے مباہلہ نہیں کرتے کہ تباہ ہوجائینگے۔ لیکن ان کو کہدو کہ تم نے تباہ تو ضرور ہونا ہے۔ لیکن اگر مباہلہ میں آکر ہلاک ہوگئے۔ تو خدا کا عظیم الشان نشان بن جاؤ گے +

فَيُنَبِّئُكُمْ۔ کو جو بد اعمالیاں تم کر رہے ہو۔ خدا انکی تم کو ضرور خبر دے گا +

رکوع دوم

(۱۸۔ اپریل ۱۹۱۴ء)

مسلمانوں کی ترقی اور کامیابی کے اسباب میں سے ایک وہ سامان ہیں۔ جن کو خدا تعالےٰ نے ہمیشہ کے لئے مہیا فرما دیا ہوا ہے۔ جس وقت دُنیا پراگندہ ہوتی ہے اور ہر ایک شخص اپنے اپنے خیالات اور افعال میں خود مختار ہوتا ہے اور اتفاق و یک جہتی کی جگہ نفاق اور دشمنی لے لیتی ہے۔ تو خداوند کریم اپنے انبیاء اور رسل کو بھیجتا ہے۔ چونکہ اس وقت لوگوں کے دلوں میں خود مختاری کی ہوا سمائی ہوئی ہوتی ہے۔ اس لئے نبی کی مخالفت کے لئے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالےٰ رفتہ رفتہ سعید روحوں کی ایک جماعت بنا دیتا ہے جو خود نیک کام کرتی ہے اور دوسرے لوگوں سے کرانے کی کوشش کرتی ہے لیکن پھر ایک وقت آجاتا ہے جبکہ یہ سلسلہ بھی روحانیت کے آہستہ آہستہ کمزور ہوجانے کی وجہ سے ٹوٹ جاتا ہے اور تفرقہ پڑ جاتا ہے۔ مسلمانوں پر خدا نے بڑا ہی فضل کیا اور ان کو وہ طریقہ بتا دیا کہ جس سے ہر حالت میں یک جہتی ہی رہ سکتی ہے۔ اوّل یہ کہ تم میں ایک خلیفہ ہو جو جماعت کی وحدت کو قائم رکھے اگر وہ نہ ہو یعنی تم میں کوئی ایسا خلیفہ نہ ہو۔ جس کے ماتحت تم ۲۴ گھنٹے ہی رہو۔ تو ایک دن میں پانچ دفعہ ایک امام کے ماتحت ہو جایا کرو۔ تاکہ تمہارا سارا دن رات خود مختاری میں نہ گذرے بلکہ کچھ حصہ ماتحتی اور فرمانبرداری میں بھی گذارو۔ اور وقتی اجتماع کرلیا کرو دوم۔ اگر تمام لوگ اپنے شہر اور قصبے کے ہر روز ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ تو ہفتہ میں ایک دن جمع ہو جایا کریں اور ایک امام کے ماتحت ہو کر جمعہ کی نماز ادا کیا کریں۔ سوم اردگرد کے شہروں اور قصبوں کے لوگ سال میں دو دفعہ ایک مرکز پر جمع ہوا کریں۔ اور عیدین کی نماز ادا کیا کریں۔ تاکہ ان میں تعلقات اور رابطۂ اتحاد بڑھتا رہے۔ اور ایک دوسرے کے حالات سے واقف ہوتے رہیں۔ چہارم۔ تمام جہان کے

مسلمان ایک دفعہ سال میں حج کے لئے جمع ہوں - اور بڑے بڑے اغنیاء اور مدبر لوگ جمع ہو کر تبادلہ خیالات کریں - اور قوم کی مشکلات کے دور کرنے کی تجاویز سوچیں - اور ایک امام کے ماتحت ہو کر اپنی یکجہتی اور اتفاق کا ثبوت دیں - جب تک مسلمانوں نے ان باتوں پر عمل کیا - دن بدن ان کی ترقی ہوتی گئی - لیکن جب تفرقہ پڑا - اور ایک کی بجائے چار امام ہو گئے تو ترقی رک گئی - اور گرنے اور برباد ہونے شروع ہو گئے - ہم سے پہلے لوگوں میں تو بہت مدت کے بعد چار امام ہوئے تھے - لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قائم کردہ سلسلہ میں اب ہی بعض لوگ کہتے ہیں کہ چار خلیفے ہونے چاہئیں - لوگ اب بھی حج کے لئے جاتے ہیں - لیکن جن لوگوں پر جانا فرض تھا - ان کو تو اپنے عیش و آرام سے فرصت ہی نہیں ملتی - غریب و غربا چلے جاتے ہیں جن کے مد نظر مختلف ذاتی اغراض ہوتی ہیں - بعض مشکلات اور تکلیفوں کی وجہ سے ہجرت کر کے چلے جاتے ہیں کہ شائد وہاں آرام ملے - بعض سیر و تفریح کے لئے جاتے ہیں بعض حاجی کہلانے کے لئے حج کرتے ہیں اور لوگوں سے مانگ مانگ کر زاد راہ مہیا کرتے ہیں اور بعض تجارت کو بڑھانے کے لئے حاجی کی ڈگری حاصل کرتے ہیں - اور وہ غرض جس کے لئے یہ اجتماع مقرر کیا گیا تھا کسی کے ذہن میں نہیں ہوتی پھر جمعہ تھا - اس کے ترک کرنے کے لئے بھی کئی وجوہات تراش رکھی ہیں - کہتے ہیں صرف ایسے شہر میں جمعہ ہو سکتا ہے جہاں قاضی ہو - بڑا شہر ہو - پھر پانچ وقت کی نماز تھی - اسکے لئے بھی جمع نہیں ہوتے - اول تو بہت کم لوگ نماز پڑھتے ہیں اور جو پڑھتے بھی ہیں وہ کہتے ہیں کہ مسجد میں چونکہ غریب لوگ نماز پڑھتے ہیں اس لئے وہاں جانے سے ہماری ہتک ہوتی ہے - ہم گھر پر ہی نماز پڑھیں گے - غرضکہ مسلمانوں میں بہت تفرقہ ہو گیا ہے پہلے اصل امامت ہی نہ رہی - پھر حج کو چھوڑا - پھر جمعہ کے لئے وجوہات تراشیں اور پھر نماز باجماعت کو بھی خیرباد کہہ دیا +

إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَوٰةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ

جب پکارا جائے واسطے نماز کے دن جمعہ کے

جمعہ کے دن جس وقت نماز کے لئے آواز آوے - تو بیع کو چھوڑ دیا کرو - جب سے ہندوستان میں مسلمانوں نے جمعہ پڑھنا چھوڑا ہے گرتے ہی چلے جاتے ہیں - جمعہ کے لئے جو شرائط لگائی ہیں وہ تو اس وقت پوری ہو سکتی تھیں جبکہ حکومت ہو مگر جمعہ کی ضرورت تو حکومت کے کٹنے پر اور بھی بڑھ گئی تھی اور ان شرائط کے ماتحت جب جمعہ پڑھنا قریباً ناممکن ہو گیا تو اس علاج کا کیا فائدہ جو بیماری کے وقت نہ ہوا جمعہ کی سب سے زیادہ ضرورت تو مسلمانوں کو حکومت کے جانے پر تھی تا ایک وقتی اتحاد تو ان میں ہو جائے مگر افسوس کہ لوگ اس حکمت سے بے خبر ہو کر جمعہ چھوڑ بیٹھے +

فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ

پس سعی کرو طرف ذکر اللہ کے

اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ نماز کے لئے بھاگتے ہوئے جاؤ بلکہ یہ ہیں کہ کوشش کرو - سامان مہیا کرو - جمعہ کی نماز کے یہ سامان ہیں (۱) غسل کرنا واجب ہے (۲) کپڑے بدلنا (۳) خوشبو لگانا - آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جمعہ میں دیکھا کہ بعض لوگوں کے کپڑے میلے ہیں تو فرمایا - کہ ایسے لوگ کیوں جمعہ کے لئے علیحدہ کپڑے نہیں بنوا رکھتے جن کو جمعہ کے دن پہن لیا کریں اور پھر اتار کر رکھ دیا کریں +

جمعہ کی نماز کے لئے (۱) وقت سے پہلے مسجد میں آنا چاہیئے - جتنا کوئی پہلے آتا ہے - اتنا ہی زیادہ ثواب کا مستحق ہوتا ہے - حدیث میں آیا ہے کہ جو سب سے پہلے آوے اس کو ایک اونٹ کی قربانی کا ثواب ملتا ہے - اور جو اس کے بعد آوے اس کو گائے کا - اسی طرح پانچ درجے مقرر فرمائے ہیں (۲) خطبے میں بالکل خاموش رہنا چاہیئے بہت لوگ خطبہ میں بولتے رہتے ہیں - حدیثوں میں سخت منع آیا ہے - یہاں تک کہ اگر کوئی آدمی بول رہا ہو تو اس کو آواز سے منع بھی نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اشارہ سے روکنا چاہیئے بولنا مکروہ لکھا ہے کیونکہ خطبہ میں حرج واقعہ ہوتا ہے +

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا
پس جب پوری کی جائے نماز تو پھیل جاؤ
فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ
زمین میں اور چاہو فضل اللہ سے

پہلے فرمایا ہے کہ جس وقت نماز کے لئے آواز آوے تو آجاؤ اب جب آگئے تو پھر جانا بھی تھا۔ اس لئے فرمایا کہ جب نماز ہو چکے۔ تو پھر تم کو اجازت ہے کہ چلے جاؤ اور اپنا کام کاج کرو۔ فضل کے معنے مال کے بھی ہیں۔ اسلئے اسکے معنے یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ تم جاکر تجارتی کام کرو۔ مگر انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز کے بعد چھٹی کرو اور (۱) اگر کوئی تمہارا دوست یا عزیز بیمار ہو تو اس کی عیادت کے لئے جاؤ (۲) احباب کی ملاقات کے لئے ان کے گھر جاؤ (۳) اگر کوئی فوت ہو گیا ہو تو اس کے جنازہ کے لئے جاؤ۔ آج اہل یورپ کہتے ہیں کہ ہم نے ہفتہ میں ایک دن چھٹی کرنے کے اصول پر عملدرآمد کرنے کے بہت بڑے فائدے حاصل کئے ہیں لیکن ان کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ یہ اسلام کا مقرر کردہ قاعدہ ہے جس کی تعمیل مسلمانوں پر فرض کی گئی ہے۔ کیونکہ کام میں متواتر مشغول رہنے کی وجہ سے قوئ کمزور ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ان کے آرام دینے کے لئے چھٹی کی جائے +

وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا ۨانْفَضُّوْٓا
اور جب دیکھتے ہیں تجارت یا کھیل دوڑتے جاتے ہیں
اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ؕ
طرف اسکی اور چھوڑ دیتے ہیں تجھے کھڑا

ان لوگوں کو نمازیں تو بہت بھاری معلوم ہوتی ہیں اور طرح طرح کے بہانے تلاش کرتے ہیں۔ لیکن جب تجارت اور تماشا کو دیکھتے ہیں تو منتشر اور پراگندہ ہو کر چلے جاتے ہیں اور جس تجارت کی طرف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بلاتے ہیں۔ اس کی پروا نہیں کرتے۔ اور آپ کو اکیلا چھوڑ دیتے ہیں +

قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰہِ خَیْرٌ مِّنَ
کہدے جو اللہ کے پاس ہے وہ اچھا ہے
اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ؕ
لہو اور تجارت سے

پہلے تو فرمایا ہے کہ جب وہ تجارت اور تماشا کو دیکھتے ہیں تو بھاگ جاتے ہیں۔ یہاں فرماتا ہے کہ ان کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ خدا کے پاس اس دُنیا کے تماشے اور تجارت سے بہت اچھا بدلہ ہے۔ پہلی آیت میں تجارۃ کو لہو سے پہلے بیان فرمایا ہے اور یہاں لہو کو تجارت سے پہلے بیان کیا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ تقدیم و تاخیر ہو گئی ہے۔ لیکن یہ ان کی بکواس ہے۔ خدا کے کلام میں ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا۔ اس کی ہر ایک بات میں حکمت ہوتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ اگر کوئی مشہور اہلِ قلم ہو اور اس کی عبارت میں تقدیم و تاخیر ہو تو کہا جاتا ہے کہ اس میں بھی خاص لطف ہے۔ اور یہ قابلیّت کا کام ہے۔ لیکن اگر کسی غیر معروف آدمی کی تحریر ہو تو کہتے ہیں کہ اس کو لکھنا نہیں آتا عبارت غلط ہے۔ خدا تعالے کے کلام میں ہر ایک لفظ ایک خاص حکمت کو مدّنظر رکھ کر استعمال ہوتا ہے۔ پس ایک جگہ تجارت کو لہو سے پہلے رکھنے اور دوسری جگہ لہو کو تجارت سے پہلے بیان کرنے میں یہ نکتہ ہے۔ کہ اس میں فطرت انسانی کو مدّنظر رکھا گیا ہے پہلے حصہ آیت میں تو یہ بیان تھا کہ جب تجارت اور لہو کو دیکھتے ہیں تو تجھے چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ تجارت اور لہو دونوں میں سے تجارت زیادہ کشش رکھتی ہے۔ کیونکہ اس میں انسان کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اس لئے تجارت بڑا محرک ہے۔ اور لہو کم محرک ہے۔ کیونکہ تجارت میں حقیقی فائدہ بھی ہے۔ اور لہو میں نہیں۔ پس چونکہ تجارت زیادہ باعث ہوسکتی تھی دین سے غافل کرنے کی۔ اس لئے اسے پہلے بیان کیا گیا۔ اور دوسرا حصہ آیت میں یہ بتایا کہ جو خدا کے پاس ہے وہ اچھا ہے لہو اور تجارت سے۔ اس جگہ چونکہ مَا عِنْدَ اللّٰہِ کی بہتری

ثابت کرنی تھی۔ اس لئے لہو کو تجارت سے پہلے رکھا۔ کیونکہ لہو تو بے فائدہ چیز کو کہتے ہیں۔ اور تجارت میں پھر بھی کچھ نفع تو ہے۔ پس جو بالکل لغو شے تھی اُسے پہلے رکھا کہ اللہ تعالےٰ کے پاس جو کچھ ہے وہ لہو سے اچھا ہے اور تجارت سے بھی اچھا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ یہ شخص ایک من بوجھ اُٹھا سکتا ہے بلکہ دو۲ من بھی۔ اور اگر اس کی جگہ یہ فقرہ کہے کہ یہ شخص دو۲ من بوجھ اُٹھا سکتا ہے بلکہ ایک من بھی۔ تو یہ لغو ہو جاتا ہے پس دونوں جگہ جس ترتیب سے لفظ رکھے گئے ہیں۔ وہی درست ہے +

یہ تو اس رکوع کے ایک معنے ہوئے۔ اب میں دوبارہ اسی رکوع کو لوٹاتا ہوں +

اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِاللّٰہِ وَذَرُوا الْبَیْعَ ؕ	پہلے رکوع میں مسیح موعودؑ کے زمانہ کا ذکر فرمایا

ہے۔ کہ اس کا زمانہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ کے مشابہ ہوگا۔ وہ لوگوں کو مباہلہ کے لئے بلائے گا۔ لیکن وہ نہیں آئینگے۔ وہ اس زمانہ کے ساتویں ہزار میں آئے گا۔ جس کو جمعہ کے دن سے تشبیہ دی ہے۔ پس فرمایا کہ جس وقت مسیح موعود تم کو جمعہ کی نماز کی طرح بُلانے کے لئے آواز دیگا تو تمہارا فرض ہے کہ تم اس کی طرف آؤ۔ اور جو کچھ وہ کہے اس کو سُنو۔ ذِکْرِ اللّٰہِ کے معنے نماز کے ہیں۔ اور الہام کے بھی ہیں۔ کیونکہ قرآن کریم کا نام اللہ نے ذکر فرمایا ہے پس اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ مسیح موعود جو باتیں الہام کے ذریعے تم کو سُنائے گا۔ ان کے سُننے کے لئے اس کی طرف آنا وَذَرُوا الْبَیْعَ۔ اور جب وہ تم کو پکارے۔ تو اپنے کاموں کو چھوڑ کر چلے آنا۔ چونکہ تجارت اس زمانہ میں انتہائی ترقی پر ہونی تھی۔ جو کہ لوگوں کو مسیح موعودؑ کی طرف آنے میں روک بن سکتی تھی۔ اس لئے فرمایا کہ تجارت کو اس وقت چھوڑ دینا۔ کیونکہ یہ تو تم کو پھر بھی ملجائے گی۔ لیکن مسیح موعودؑ دوبارہ تم کو نہیں ملے گا +

فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ	جب مسیح موعود فوت ہو جائیگا تو پھر تم اپنے اپنے گھروں

میں جا کر کام کاج کرنا۔ یا مسیح موعود کے بعد تبلیغ کی طرف بہت متوجہ ہونا +

وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا	مسیح موعود کی زندگی میں اس سے سیکھتے اور پڑھتے رہنا۔ اور بعد

میں تم لوگوں کو سکھانا۔ اور مُلک میں وعظ کرتے پھرنا +

وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَۃً اَوْ لَھْوًا	مسیح موعود کو لوگ کیوں نہیں مانتے

اسی وجہ سے۔ کہ تجارت اور بیہودہ کاموں میں مشغول ہیں ا[ور]
ان کو چھوڑ نہیں سکتے۔ اور مسیح موعود یہ اقرار لیتا ہے کہ کہو میں
دین کو دُنیا پر مقدم کرونگا مگر وہ یہ اقرار پُورا نہیں کر سکتے

قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰہِ خَیْرٌ مِّنَ اللَّھْوِ وَمِنَ التِّجَارَۃِ ؕ	ان کو کہدو کہ تجارت [میں] مشغول رہنے والے [برباد] اور تباہ ہو جائیں [گے] تجارت وہی اچھی ہے

جو مسیح موعود خدا کی طرف سے بتاتا ہے۔ مبارک ہے وہ جو [مسیح] موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی زندگی میں ان کے پاس آیا ا[ور] ان سے تقویٰ اور طہارت سیکھا۔ اور اب لوگوں کو سکھاتا ہے

سُورۃ المنٰفقون

رکوع اوّل

(۱۹۔ اپریل ۱۹۱۳ء)

اِذَا جَآءَکَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا
جب آتے ہیں تیرے پاس منافق تو کہتے ہیں
نَشْھَدُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُ اللّٰہِ وَاللّٰہُ

يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ

جانتا ہے کہ تو واقعی رسول ہے اس کا۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ

کہ تحقیق منافق جھوٹے ہیں

جس وقت میں یہ آیت پڑھتا ہوں تو اسلام کی بڑی صداقت اور عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ اور عیسائیوں کے تمام اعتراضات کہ اسلام زبردستی۔ جنگ اور تلوار کے زور سے پھیلا۔ حل ہو جاتے ہیں۔ مینے دیکھا ہے کہ اس زمانہ میں لوگ مردم شماری میں تعداد بڑھانے کی غرض سے بڑی بڑی کوشش کرتے ہیں۔ مسلمانوں اور ہندوؤں میں مردم شماری کے دنوں میں اس بات پر بڑا بحث مباحثہ ہوتا رہا تھا کہ بعض ذلیل اقوام کس گروہ میں شامل کی جائیں۔ وہ چوہڑے جو کہ اگر کسی ہندو کے پاس سے بھی گذر جائیں۔ تو وہ بھرشٹ ہو جاتا تھا۔ صرف تعداد بڑھانے کے لئے ہندو بنائے جا رہے تھے۔ مولوی برہان الدین صاحب (خدا اُن کو جنت نصیب کرے) نے ایک واقعہ سُنایا۔ کہ میں ایک دفعہ گاڑی پر سوار ہونے لگا بڑی بھیڑ تھی۔ سردی کی وجہ سے مینے کنٹوپ پہنا ہوا تھا اور میرے کپڑے بھی میلے تھے۔ ایک کمرہ میں گیا تو وہاں ہندو بیٹھے تھے۔ انھوں نے پوچھا تم کون ہو مینے کہا کہ تمہارے کمیں۔ یہ سُنکر وہ ایک طرف سرکنے شروع ہو گئے اور میں وہاں بیٹھ گیا۔ اگلے اسٹیشن پر وہ تمام وہاں سے اُٹھ کر چلے گئے۔ اور مینے بڑے آرام سے سفر کیا۔ ایک آدمی نے کہا آپ نے جھوٹ بولا۔ مینے کہا کہ جھوٹ کیا ہے۔ اب نہ مُسلمانوں کے پاس دولت ہے نہ عزت۔ ہندو اس بات میں ان سے افضل ہیں۔ تو کیا مسلمان ان کے کمیں نہیں ہیں +

تو مردم شماری کے موقع پر ہندو اخباروں نے بڑے زور سے لکھا کہ خانہ بدوش قومیں اور دیگر نیچ اقوام ہم میں شامل ہونی چاہئیں۔ اور مسلمان اخبار ان کی اس بات پر معترض تھے وہ بعض اقوام کو اپنے اندر شامل کرانا چاہتے تھے۔ اور ایسے ایسے بیہودہ اور لغو دلائل دیتے تھے کہ پڑھ کر ہنسی آتی تھی۔ مسلمان لکھتے کہ چونکہ ان میں فلاں فلاں رسم ہے۔ اس لئے وہ ہندو نہیں ہو سکتے۔ اور ہندو کہتے۔ کہ ان کے ناموں کو دیکھو۔ ہندوؤں سے ملتے ہیں اس لئے ہندو ہیں اور اسی قسم کے بہت سے دلائل دیتے۔ یہ صرف تعداد بڑھانے کے درپے تھے نہ کہ ان کو اپنے مذہب میں شامل کرنے کے۔ آجکل عیسائی پادری روپیہ دیکر چوہڑوں اور دوسری نیچ قوموں کو عیسائی بناتے پھرتے ہیں۔ لیکن اگر ان نو عیسائیوں سے پوچھا جائے کہ عیسائیت کیا ہوتی ہے تو وہ کچھ بھی نہیں بتا سکتے۔ پادری صاحبان بھی صرف تعداد بڑھانے اور اپنی کارگذاری دکھانے کی خاطر کئی قسم کے لالچ اور طمع دیکر ان کو اپنے میں شامل کر لیتے ہیں۔ غرضکہ ہر ایک مذہب والوں کی یہی کوشش ہے۔ کہ ہماری تعداد بڑھ جائے خواہ وہ اس مذہب کے متعلق جانتے بھی ہوں یا نہ۔ اگر اسلام تلوار کے ذریعے پھیلایا جاتا۔ تو اس کا قبضہ لوگوں کی زبانوں پر ہوتا نہ کہ دلوں پر۔ اگر مُسلمانوں کو اپنی تعداد ہی بڑھانی مقصود ہوتی۔ تو ان لوگوں کو جو ان کے پاس خود بخود آ کر اپنے مسلمان ہونے کا اقرار کرتے تھے۔ کیوں نکالتے۔ جو شخص تلوار سے اپنا مذہب پھیلاتا ہے اسکی غرض تو اسی قدر ہوتی ہے کہ لوگ زبان سے میرے مذہب کا اقرار کر لیں۔ وہ یہ تو کبھی نہیں خیال کر سکتا۔ کہ جن کو مینے تلوار سے منوایا ہے وہ دل سے بھی میرے ساتھ ہونگے۔ اس لئے اُسے زبانی اقرار پر ہی اکتفا کرنا پڑتا ہے۔ مگر اس آیت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ قرآن شریف کے نازل کرنے والے کی غرض دلوں کا صاف کرنا ہے۔ کیونکہ وہ فرماتا ہے۔ کہ منافق لوگ تیرے پاس آ کر تجھ کو خدا کا رسول کہتے ہیں اللہ جانتا ہے کہ یہ ان کا کہنا تو بالکل ٹھیک ہے لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق لوگ جھوٹے ہیں کیونکہ جو کچھ ان کی زبانوں پر ہے وہ ان میں نہیں ہے۔ ہم انکو مسلمان نہیں سمجھتے۔ کیا جس کی طرف سے یہ قول آوے۔ وہ حکم دے سکتا ہے۔ کہ جبراً تلوار کے زور سے کسی کو مسلمان بناؤ۔ وہ تو فرماتا ہے کہ لوگوں کو زبانوں سے مسلمان نہ سمجھو۔ جب تک کہ وہ دل سے مسلمان نہوں۔ آجکل مسلمانوں کو یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ مُسلمان مُسلمان بنجائیں نہ کہ چوہڑوں اور دوسری

مذاہب والوں کو تعداد بڑھانے کے لئے اپنے میں شامل
کرتے جائیں۔ اسلام میں تعداد کی ضرورت نہیں بلکہ سچائی
اور راستبازی کی ضرورت ہے۔ اسی لئے منافقوں کے قول کے
ساتھ اللہ تعالےٰ نے فرمادیا کہ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ۔ جو کچھ کوئی
کہے گا۔ اس کو اللہ خوب جانتا ہے +

اِتَّخَذُوْٓا اَیْمَانَھُمْ جُنَّةً
انھوں نے بنایا ہوا ہے اپنی قسموں کو ڈھال

فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ط
پس روکتے ہیں اللہ کے رستہ سے

اِنَّھُمْ سَآءَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ
تحقیق یہ لوگ بُرا ہے جو کچھ کہ کرتے ہیں

ان منافقوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنایا ہوا ہے کہ
قسم کھا کر اپنے آپ کو بچالیں گے۔ اور دوسرے لوگوں کو
گمراہ کرتے ہیں۔ یہ جو کچھ کر رہے ہیں بہت بُرا کر رہے
ہیں جس کی ان کو سزا دی جاوے گی +

ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا
یہ اس لئے ہے کہ وہ ایمان لائے پھر کافر ہوگئے

فَطُبِعَ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ فَھُمْ لَا
پس مہر لگادی گئی اوپر انکے دلوں کے پس وہ نہیں

یَفْقَھُوْنَ ۝
سمجھتے

ان کو اس قسم کی شرارتوں کی جراُت اس لئے ہوئی کہ یہ پہلے
ایمان لائے تھے۔ لیکن پھر کافر ہوگئے۔ اب ان کے دلوں
پر خدا نے مُہر لگادی ہے۔ کیونکہ یہ دین کو کچھ نہیں سمجھتے
پہلے مان کر پھر مرتد ہوجانا بہت بڑا گناہ ہے۔ اگر ایک
آدمی چشمہ پر پہنچ کر پانی نہ پیئے۔ اور واپس آجائے۔ تو
اس سے زیادہ اور کون بدقسمت ہوسکتا ہے۔ ایسے آدمی
کو پھر واپس آنے کی توفیق ہی نہیں مِل سکتی۔ منافق لوگ پہلے
تو ایمان لے آئے لیکن بعد میں ان کو شکوک پیدا ہو
شروع ہوگئے۔ اور مذہبی غیرت دُور ہوکر دلوں پر مُہر لگ گئی
اور ان کو دین کے سمجھنے کی توفیق نہ ملی +

وَاِذَا رَاَیْتَھُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُھُمْ
اور جب تو ان کو دیکھتا ہے متعجب کرتے ہیں جسم انکے

جب تو ان منافقوں کو دیکھتا ہے تو بڑے موٹے موٹے جسموں
والے تجھے تعجب میں ڈال دیتے ہیں کہ کیسے وجیہ ہیں +
آج کل بعض لوگ کہتے ہیں کہ خلیفہ موٹا ہونا چاہیئے
کیونکہ قرآن شریف میں آیا ہے۔ بسطة فی العلم والجسم
ان کو یہ آیت بھی دیکھنی چاہیئے۔ کہ منافقوں کے جسموں کی نسبت
اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ ان کے جسموں کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے
کہ کیسے جوان ہیں۔ جسے غم دین ہو۔ اس کی جسمانی قوت وطاقت
زائل ہوجاتی ہے۔ ہاں روحانی طاقت ملتی ہے جو اسے کسی
نہیں چھوڑتی۔ جیسی انبیاء اور ان کے صحابہ کو ملتی آئی ہے

وَاِنْ یَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِھِمْ ط
اور اگر بات کرتے ہیں تو تو اُن کی بات کو سُنتا ہے

چونکہ یہ بظاہر بڑے معتبر معلوم ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کا رعب
لوگوں پر ہوتا ہے اور جب وہ کوئی بات کرتے ہیں تو لوگ بڑی توجہ
سے اس کو سُنتے ہیں کہ شاید یہ کوئی عمدہ بات کہنے لگے ہیں۔ تسمع
سے مُراد رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہی نہیں بلکہ سب صحابہ مُراد
ہیں یا جس مجلس میں ایسے منافق ہوں +
کَاَنَّھُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ط۔ اس کے دو معنے ہیں
گویا وہ لکڑیاں ہیں ٹیک لگا کر کھڑی کی گئیں۔ اور مطلب یہ ہے
(۱) تکبر سے بیٹھتے ہیں۔ اِدھر اُدھر نہیں دیکھتے۔ چھاتیاں نکال کر
ٹیک لگا کر مجالس میں رعب کے ساتھ بیٹھتے ہیں۔ اور یوں وقار
کے ساتھ بیٹھتے ہیں جیسے لکڑیاں رکھی ہوتی ہیں کہ اِدھر اُدھر متوجہ
ہوتے ہی نہیں۔ لیکن ان کے بیچ کچھ نہیں اور کچھ نہیں سمجھتے
(۲) گو ان کے اجسام کو دیکھ کر تو ہر شخص یہ قیاس کرتا ہے کہ بڑے
بزرگ لوگ ہیں۔ ان سے زیادہ اہل الرائے اور کون ہوگا۔ لیکن
بات یہ ہے کہ یہ ایسے احمق ہیں کہ بات کو سمجھتے ہی نہیں۔ اور علوم

دین سے قطعاً ناواقف ہوتے ہیں۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ خوب بات کو سمجھتے ہیں۔ لیکن دراصل بے جان اشیاء کی طرح صحبت رسول سے کچھ فائدہ نہیں اُٹھاتے +

يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ط

سمجھتے ہیں ہر ایک بلند آواز کو کہ انہی کے متعلق ہے

یہ منافقوں کی نشانی ہے کہ ذرا کسی نے بات کی۔ پس کہہ اٹھتے ہیں کہ یہ ہمارے متعلق باتیں کی جا رہی ہیں اور ہمارے خلاف کوششیں ہو رہی ہیں +

هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ

وہ دشمن ہیں پس قطع تعلق کر لے اُن سے

قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝

انھیں ہلاک کرے اللہ کہاں سے پھرے جاتے ہیں

پس ایسے لوگوں سے قطع تعلق کر لینا چاہیئے۔ کیونکہ یہ دشمن ہوتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان کو ہلاک کرے کہاں سے یہ پھیرے جاتے ہیں +

خداوند تعالےٰ نے منافق لوگوں کی یہ نشانیاں بتائی ہیں (۱) ظاہری شکل وشباہت میں اپنے آپ کو وجیہہ ثابت کرتے ہیں جسے دیکھ کر لوگوں پر رُعب پڑ جاتا ہے (۲) باتیں چرب زبانی سے کرتے ہیں (۳) مجلسوں میں اکڑ کر اور ٹیک لگا کر بیٹھتے ہیں۔ یا بظاہر وہ غور کرتے معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن کچھ نہیں سمجھتے۔ (۴) ذرا بات کرو جھٹ کہہ دیتے ہیں کہ یہ ہمارے خلاف باتیں کرتے ہیں +

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ

اور جب کہا جاتا ہے اُن کو کہ آؤ بخشش مانگے

لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ

تمہارے لئے رسول اللہ کا تو پھیرتے ہیں اپنے سروں کو

وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ

اور دیکھتا ہے تو انکو رُکے رہتے ہیں اور وہ

مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝

تکبر کرتے ہیں

یہ ان کی تکبر کی نشانی ہے کہ جب ان کو کہا جاتا ہے کہ آؤ رسول سے دُعا منگوالو تو انکار کر دیتے ہیں۔ اور تکبر کی وجہ سے دُعا نہیں کرواتے۔ ایک شخص کو کسی نے کہا کہ ہم تو آپ کے لئے دعا ہی کرتے ہیں کہ خدا آپ کو ہدایت دے۔ تو وہ غصے ہو کر کہنے لگا کہ کیا میں ہدایت پر نہیں ہوں۔ جو آپ تم دُعا کرتے ہو۔ تم نے میری ہتک کی ہے مجھے یہ کہنا کہ خدا آپ کو ہدایت دے۔ میری توہین ہے +

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ

برابر ہے ان پر کہ تو بخشش مانگے

لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ط لَنْ

ان کے لئے یا نہ بخشش مانگے انکے لئے ہرگز نہ

يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا

بخشے گا اللہ ان کو تحقیق اللہ نہیں

يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

ہدایت دیتا قوم فاسقین کو

ایسے لوگوں کے لئے برابر ہے کہ تو نے انکے لئے استغفار کیا یا نہ کیا۔ اللہ ان کو کبھی نہیں بخشے گا۔ فاسق انسان جب خود نہیں عفو طلب کرتے تو اللہ کو کیا ضرورت ہے کہ ان کو معاف کرے +

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا

یہ وہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ نہ خرچ کرو

عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى

اس شخص پر جو پاس ہے اللہ کے رسول کے یہاں تک

يَنْفَضُّوا ۗ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ ١١

کہ بھاگ جائیں اور اللہ کے لئے خزانے ہیں آسمانوں

وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ

اور زمین کے ولیکن منافق

لَا يَفْقَهُوْنَ

نہیں سمجھتے

حضرت خلیفۃ المسیح علیہ الرحمۃ کے زمانہ میں ایک شخص کا خط آیا کہ قادیان میں لوگ مفت کھانا کھا کر بیکار بیٹھے رہتے ہیں۔ اُن کا کھانا بند کر دینا چاہیئے۔ اب بھی کہتے ہیں کہ چندے بند کر دو۔ بھاگ جائیں گے۔ خداوند تعالےٰ فرماتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔ ان کو کیا خبر ہے ہمارے خزانے بہت وسیع ہیں۔ حضرت صاحب سُنایا کرتے تھے۔ کہ ایک بادشاہ نے حُکم دیا کہ بعض نوکروں کو موقوف کر دو۔ کیونکہ خزانے پر بہت بوجھ پڑ رہا ہے رات کو اُس نے خواب میں دیکھا کہ اُس کے خزانے سے فرشتے روپوؤں کی گاڑیاں بھر بھر کر لیجا رہے ہیں اُس نے پوچھا۔ کہاں لے جاتے ہو تو انھوں نے جواب دیا کہ جہاں جہاں یہ آدمی جن کو تم نے موقوف کیا ہے جائینگے وہاں ہی ان کے لئے یہ روپے لے جائینگے۔ صبح اُس نے حُکم دیا کہ کسی کو موقوف نہ کیا جاوے یہ تو خدا کا بڑا احسان ہے کہ میری معرفت ان کو رزق دے رہا ہے ؛

يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ

کہتے ہیں کہ اگر ہم لوٹ کر جائیں طرف مدینہ کی

لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ۗ

تو ضرور نکال دینگے ان میں سے عزت والے اذل کو

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سفر پر تھے کہ ایک کنوئیں سے پانی نکالنے پر ایک مہاجر نے ایک انصار کی پیٹھ پر لات ماری۔ مہاجر نے مدد کے لئے مہاجرین کو پکارا۔ اور انصار نے انصار کو آواز دی۔ لڑائی کا خطرہ ہو گیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شور سُنکر دریافت کرایا اور منع فرمایا کہ ان جہالت کی باتوں کو جانے دو۔ عبداللہ بن ابی نے کہا کہ ہم نے ان مہاجروں کو روٹیاں کھلا کھلا کر پالا ہے اور ان کی ہر قسم کی مدد کی ہے ہم اعز ہیں اور یہ اذل۔ مدینہ میں چل کر ان کو نکال دینگے یہ بات زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے سُنکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی۔ آپ نے عبداللہ کو بُلا کر پوچھا۔ تو اُس نے کہا خدا کی قسم میں نے یہ نہیں کہا۔ چونکہ وہ ایک جماعت کا سردار اور بارُعب آدمی تھا۔ اس لئے زید رضی کی روایت اگرچہ ٹھیک تھی لیکن نہ مانی گئی اور لوگوں نے کہا کہ کیا عبداللہ جیسا معتبر آدمی جھوٹ بول سکتا ہے۔ خداوند تعالےٰ نے اصل واقعہ سے اطلاع فرمائی۔ اور بتلایا کہ یہ جھوٹا ہے اس نے ایسا کہا تھا۔ اور جو منافق ایسا کہے گا۔ ہم اُسے ذلیل کریں گے ؛

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ

اور اللہ کے لئے ہے عزت اور اُسکے رسول کیلئے اور مومنین کے لئے

وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ

ولیکن منافقین نہیں جانتے

عزت تو اللہ تعالےٰ کے لئے ہے اور پھر اس کے رسول کے لئے۔ اور پھر جو خدا اور اُس کے رسول کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں ان کے لئے ہے۔ منافقوں کے لئے تو ذلت ہی ذلت ہے۔ یہ صرف دعوےٰ ہی نہ تھا۔ اس بات کو مجلس میں پُورا کر کے دکھا دیا۔ عبداللہ بن ابیّ کے بیٹے نے اس کو گردن سے پکڑ لیا۔ اور کہا کہ کہو عزت رسول اللہ کے لئے ہے اور میں ذلیل ہوں۔ یہ بات کہلوا کر ہی چھوڑی۔ تکبر کرنے والے کو خدا تعالےٰ اپنے آدمیوں سے ہی ذلیل کروا دیتا ہے کبھی تکبر نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر ترقی ہو تو خدا کا شکر کرنا چاہیئے کہ میں تو کسی قابل نہیں ہوں یہ خدا کا فضل ہی ہے کہ مجھے ترقی نصیب ہوئی ہے۔ اور اگر تنزل ہو تو راضی برضاء اور صابر ہونا چاہیئے۔ کہ مجھ میں ہی کوئی نقص تھا۔ جسکی وجہ سے تنزل ہوا ہے ورنہ خداوند تعالےٰ کو کیا ضرورت تھی یہی ایک طریق ایسا ہے جس سے انسان دُنیا میں آرام اور خوشی

سے رہ سکتے ہے ورنہ جو لوگ بڑا دعوے کرتے ہیں وہ ذلیل ہو جاتے ہیں +

رکوع دوم

(۲۰- اپریل سنہ ۱۹۱۴ء)

ہر ایک کام کے لئے اپنے اوقات کی تقسیم کرنی چاہیئے جو لوگ اپنے کاموں میں وقت کی مناسب تقسیم نہیں کرتے وہ کبھی کسی کام میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ کامیاب وہی ہوتے ہیں جو مناسب وقت کام میں صرف کرتے ہیں مثلاً کھیل اور تعلیم ہی ہے۔ اگر کوئی طالب علم تمام دن کھیل کود میں مشغول رہے اور پڑھائی کا نام نہ لے تو وہ فیل ہو جائے گا۔ اور اگر وہ تمام دن پڑھائی میں ہی لگا رہے اور ورزش کے لئے کوئی وقت مقرر نہ کرے تو بیمار ہو جائیگا۔ پھر پڑھائی کے کئی ایک مضمون ہیں۔ اور ان کے لئے تجربہ کار استادوں نے ضرورت کے مطابق اوقات مقرر کئے ہوئے ہیں۔ اگر اس کی خلاف ورزی کی جائے۔ اور جس مضمون کے لئے تین گھنٹے ہیں۔ اُس پر دو صرف کئے جاویں۔ اور جس پر دو گھنٹے صرف ہونے چاہئیں۔ اس پر تین گھنٹے کر دیئے جائیں۔ تو اس کا نتیجہ ناکامی ہی ہو گی۔ انسان کو ہر ایک کام کی عظمت اور اہمیت دیکھ کر اپنے اوقات کی تقسیم کرنی چاہیئے اور پھر قاعدے کے مطابق کام پر لگ جانا چاہئے۔ ایسا آدمی ضرور کامیاب ہو جاتا ہے۔ اس رکوع میں اللہ تعالےٰ نے لوگوں کو اسی بات کی طرف متوجہ کیا ہے کہ تم اپنے کاموں کی اہمیت دیکھ کر اُن کے لئے وقت مقرر کرو مسلمان اس قاعدے کو ترک کرنے کی وجہ سے تباہ ہو گئے ہیں کیونکہ جس طرف متوجہ ہوئے اسی طرف لگ گئے اور کسی اور چیز کی پرواہ نہ کی۔ لکھنؤ کی لائبریری میں میں نے ایک تصویر دیکھی۔ کہ نواب اور دوسرے اہل دربار نے مُرغے اُٹھائے ہوئے ہیں۔ اور ایک درباری اور ایک انگریز مرغوں کو لڑا رہے ہیں تو مسلمان اُمراء کو اگر مرغوں اور بٹیر بازی کا شوق ہوا تو دن رات اسی میں مشغول ہو گئے۔ اور دُور دُور سے اُن کی تلاش کروائی گئی۔ دہلی میں مجھے ایک نواب صاحب کے ایک اہلکار ملے جو کہنے لگے مجھے حکم ہوا ہے کہ اچھے کبوتر تلاش کر کے لاؤں۔ گویا نوابی کا بھی ایک کام ہے میں نے دہلی میں دیکھا ہے بعض لوگ کبوتر اُڑاتے ہیں۔ صبح سے شام تک ہُو ہُو کرتے رہتے ہیں۔ کوئی اور فکر نہیں ہوتا۔ نہ معلوم ان لوگوں کو اس میں کیا مزا آتا ہے۔ کھیل سے مانا کہ دل خوش ہوتا ہے۔ لیکن اس میں مفید و غیر مفید اور وقت کی پابندی کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اسی طرح دیگر کاموں میں بھی وقت کی تقسیم نہایت ضروری امر ہے۔ دین کے کاموں میں بھی وقت مقرر کر کے اس کی پابندی کرنی چاہیئے۔ اسلام ہرگز حکم نہیں دیتا کہ تمام دن رات نمازیں ہی پڑھتے رہو۔ یا سارا سال روزے رکھو۔ لیکن یہ بھی نہیں کہے گا کہ ہر وقت دُنیا کے کاموں میں ہی مشغول رہو۔ اور سارا دن انہی میں لگے رہو +

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو نہ غافل کریں تم کو

اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ

مال تمہارے اور نہ اولاد تمہاری

ذِكْرِ اللّٰهِ

اللہ کے ذکر سے

مال اور اولاد کی فکر کرنا اچھی بات ہے لیکن ایسا نہ ہونا چاہیئے کہ یہ تم کو دین سے غافل کر دیں۔ اور تم دنیا میں ہی مشغول رہ کر دین کی طرف مطلق توجہ نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ مال اور اولاد کی فکر اور تردد سے منع نہیں کرتا۔ لیکن دین کے اوقات کی بھی پابندی کروانا چاہتا ہے۔ مال اس طرح دین سے غافل کرتا ہے (۱) کہ تجارت میں لگے رہے نماز کا وقت رہنے نماز کی پرواہ نہ کی۔ (۲) مال کے بڑھانے کے لئے ناجائز کوششیں شروع کر دیں۔ رشوت لینے لگ گئے یا چوری کرنے لگے۔ اور مال کی وجہ سے اللہ کو چھوڑ دیا۔ اولاد اس طرح دین سے غافل کرنے کا باعث ہوتی ہے کہ عورت بچے کا مُنہ دُھلا رہی ہے یا دودھ پلا رہی ہے۔ نماز کا وقت آ گیا اور وہ اس وجہ سے نماز نہیں پڑھتی کہ بچے کو تکلیف ہو گی۔

اولاد کے غافل کرنے کے اور بھی مختلف طریقے ہیں۔ مثلاً اگر کسی دینی کام کے لئے چندہ مانگا جائے تو کہتے ہیں کہ لڑکوں کی تعلیم کا بڑا خرچ ہے اس لئے گنجایش نہیں +

ایک قصہ مشہور ہے۔ واللہ اعلم سچ ہے یا نہیں کہ امام حسین نے حضرت علیؓ سے سوال کیا کہ آپ کو مجھ سے محبت ہے؟ انھوں نے فرمایا۔ ہاں۔ پھر پوچھا کہ آپ کو اللہ سے محبت ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ ہاں۔ تو امام حسین نے کہا کہ پھر آپ تو شرک کرتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ بات نہیں۔ تمہاری محبت اسی وقت تک ہے جب تک کہ خدا کی محبت کے مقابلہ میں نہیں آتی۔ اور اگر کوئی ایسا موقعہ آیا تو میں تمہاری محبت کی پروا نہیں کرونگا۔ اسی طرح ہر ایک چیز سے مومن کو محبت ہونی چاہیئے۔ کہ جب تک وہ خدا کی رضامندی کے ماتحت ہے محبت کرے۔ لیکن جس وقت خدا کی رضامندی نہ رہے تو کسی کی محبت کی پروا نہیں کرنی چاہیئے

اولاد کی خاطر لوگ جھوٹ بولتے ہیں اور ان کے عیبوں اور جرموں کو غلط بیانی سے چھپاتے ہیں۔ لیکن مومنوں کا یہ کام نہیں ہوتا +

ہمارے ایک دوست کے لڑکے پر قتل کا مقدمہ بن گیا۔ انھوں نے جہاں تک واقعات ان کو معلوم تھے۔ سچ سچ بیان کر دیئے۔ لوگوں نے بہت منع کیا کہ یہ بیان تو آپ کے لڑکے کو مصیبت میں پھنسا دے گا۔ انھوں نے کہا خواہ کچھ ہی ہو میں جو کچھ معلوم ہے سچ سچ بیان کر دونگا۔ خدا تعالے نے ان کو سچا ثابت کر دیا۔ اور بیٹے کو بھی بچا لیا۔ وہ اس امتحان میں پورے اُترے اور اولاد نے ان کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کیا

جو لوگ خدا کے لئے اپنے اموال و اولاد کو قربان کرتے ہیں اللہ تعالے کبھی ان کے اموال اور اولاد کو ضائع نہیں ہونے دیتا +

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اولاد زیادہ ہے اور تنخواہ کم ہے اگر رشوت نہ لیں تو گذارہ کس طرح کریں۔ ایک شخص مجھ سے بڑے پیچ در پیچ سوال کر کے رشوت کے متعلق پوچھتا رہا کہ اگر گذارہ نہ چلے تو پھر کیا کیا جاوے۔ میں نے کہا کہ خدا ہر ایک کا رازق ہے۔ اور وہ خود سامان مہیا کر دیتا ہے لیکن جب اُس نے بہت اصرار کیا تو میں نے کہا کہ تو جھوٹا ہے۔ خدا کا کہنا کبھی غلط نہیں ہوسکتا +

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ

اور جو کرے گا ایسا پس ایسے ہی لوگ

هُمُ الْخٰسِرُوْنَ

گھاٹا پانے والے ہیں

جو اموال و اولاد کی خاطر خدا سے غافل ہوگا۔ اس کو مال و اولاد کوئی نفع نہ دے گی۔ ایسی اولاد ہمیشہ شریر بدمعاش ہوتی ہے جس کو کہ حرام کا مال کھلایا جاوے۔ ناجائز مال بھی کبھی نفع رساں نہیں ہوتا۔ ایسے آدمی ٹوٹا ہی پاتے ہیں +

وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ

اور خرچ کرو اس سے جو دیا اللہ نے تم کو

قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ

پہلے کہ آجائے تم سے کسی کو موت

فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ

پس کہے وہ اے میرے رب کیوں نہ مہلت دی تونے مجھے

اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ

تھوڑی مدت تک پس میں صدقہ دیتا

وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ

اور ہو جاتا میں صالحین میں سے

اور خرچ کرو اس میں سے جو کچھ دیا ہے تم کو اللہ نے پیشتر اس کے کہ تم کو موت آئے۔ جو لوگ بخل سے کام لیتے ہیں اور اللہ تعالے کے راستہ میں اپنے مال خرچ کرنے سے پرہیز کرتے ہیں ان کو موت کے وقت لگتی ہے اور کہتے ہیں کاش! الٰہی مجھے تھوڑی دیر ڈھیل دی جاتی تاکہ میں صدقے کرتا اور نیک کا

یں مشغول ہو جاتا۔ بعض لوگوں کو مہلت بھی مل جاتی ہے یعنی
وہ سخت بیماری سے بچ جاتے ہیں۔ لیکن پھر اپنے عہدوں کو پورا
نہیں کرتے۔ اور پہلے کی طرح ہی اپنے کاموں میں لگ جاتے
ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب ترکوں کے
متعلق لکھا کہ ان بڑے بڑے افسر حرام مال کھاتے ہیں۔ تو ایک شخص
نے حضرت صاحب کے متعلق کہا کہ چیونٹی کو پر لگ گئے ہیں یہ
ہلاک ہوگا۔ جب آپ کو کسی نے یہ بات سُنائی۔ تو مجھے خوب یاد
ہے کہ بہت سخت غصہ آپ کو آگیا۔ حالانکہ اس سے پہلے لوگوں
کے بہت سخت سخت الفاظ آپ نے کئی بار سُنے اور کبھی پروا
نہ کی۔ آپ نے بددُعا کی اس کا ایک ہی بیٹا تھا وہ بیمار ہوگیا
اس نے فوراً یہاں آدمی بھیجا۔ اور بڑی عاجزی سے اپنی شرارت
سے معافی مانگی اور کہا کہ اس کی صحت کے لئے دُعا فرما دیں آپ
نے دُعا کی اس کا لڑکا تو بیماری سے اچھا ہوگیا لیکن وہ بعد میں پھر
گیا اور قطع تعلق کر کے علیحدہ ہوگیا +

وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ
اور نہیں ڈھیل دیگا اللہ کسی نفس کو جب آ جائے گی
اَجَلُهَا ۚ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝
اس کی اجل اور اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو

جب موت آتی ہے تو اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ پھر ہم نہیں
چھوڑتے۔ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ کے دو معنے ہیں اللہ خوب
جانتا ہے جو کچھ کہ تم مہلت ملنے پر کرو گے۔ (۲) اللہ نے
تمہارے اعمال دیکھ لئے ہیں۔ ان کا نتیجہ ہدایت نہیں ہو
سکتا ہے +

یہ ایک نصیحت ہے ہم اپنے نفسوں میں اس کا تجربہ
کرسکتے ہیں جب کوئی بیمار ہو اور اگر اسی بیماری میں مرجائے
تو پھر کیا ہو۔ بیماری کی حالت میں جو موت کا نظارہ آنکھوں
کے سامنے آتا ہے اس کو تندرستی میں ہر وقت اپنی آنکھوں
کے سامنے رکھنا چاہیئے۔ لیکن لوگ زندگی میں زندہ رہنے
کا اندازہ کھینچتے ہیں اس لئے کہتے ہیں کچھ اور عیش کر لو پھر
توبہ کریں گے لیکن ان کو مہلت نہیں ملتی۔ اچانک مرجاتے
ہیں اس لئے بہتر ہے کہ مرنے سے پہلے اپنے اعمال کی درستی
کی جاوے +

سورۃ التغابن

رکوع اوّل

(۲۱-اپریل ۱۹۱۴ء)

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا
تسبیح کرتے ہیں اللہ کے لئے جو کہ آسمانوں اور جو
فِى الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۚ
زمین میں ہے اسی کے لئے ملک ہے۔ اور اسی کے لئے تعریف
وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۝
اور وہی ہر ایک چیز پر قادر ہے

ہر ایک سائل سوال کرتے وقت یہ بات دیکھتا ہے کہ جس
سے میں سوال کرنے لگا ہوں اُس کے پاس کچھ دینے کو ہے
بھی یا نہیں۔ پھر دوسری بات وہ یہ دیکھتا ہے کہ دینے کے
لئے تو اس کے پاس ہے لیکن یہ دیا بھی کرتا ہے یا نہیں۔
ان دونوں باتوں کو دیکھ کر پھر وہ تیسرا امر یہ دیکھتا ہے کہ آیا
یہ مدد دے بھی سکتا ہے یا نہیں یہ تم نے کبھی نہیں دیکھا ہوگا
کہ ایک فقیر دوسرے فقیر سے کچھ مانگ رہا ہو۔ جمعہ کے دن
بہت سے سائل مسجد اقصےٰ کے صحن کے سامنے بیٹھے ہوتے
ہیں وہ ایک دوسرے سے مانگتے تم نے کبھی نہیں دیکھے ہونگے
وہ تم ہی سے مانگتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ تمہارے پاس دینے
کو ہے اور فقیروں کے پاس کچھ نہیں وہ ہر جمعہ کو مسجد کے سامنے
کیوں بیٹھتے ہیں اور اس بڑے مکان کے سامنے کیوں نہیں
بیٹھتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ اس گھر سے ان کو
کسی نے کچھ نہیں دینا اور مسجد سے عبادت کر کے نکلنے والے
ضرور کچھ نہ کچھ دے ہی جائینگے۔ بخیل کے دروازے پر فقیر
کبھی نہیں جاتا۔ ایک یا دو دفعہ جا کر جب اُسے معلوم ہو جاتا ہے

کر یہ کچھ نہیں دیتا تو پھر وہ کبھی نہیں جاتا۔ فقیر کو جہاں سے ملتا رہے وہیں جاتا ہے۔ خداتعالےٰ انسانوں کو فرماتا ہے :-

سَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ - اللہ تعالےٰ کی تسبیح کرتا ہے ہر ایک جو زمین و آسمان میں ہے۔ کیوں تسبیح کرتا ہے اس لئے کہ وہ اس کا محتاج ہے اور محتاج سوال کرتے وقت ہمیشہ اپنے عجز کا اور جس سے کچھ مانگتا ہے اس کی طاقت کا اقرار کیا ہی کرتا ہے۔ پس فرماتا ہے کہ سب چیزیں اس کی تسبیح کرتی ہیں اس لئے کہ اس میں وہ سب صفات پائی جاتی ہیں جن کے جمع ہونے پر کسی سے سوال کیا جاتا ہے اول یہ کہ لَہُ الْمُلْکُ وہ بڑی بادشاہت والا ہے دوسرے لَہُ الْحَمْدُ وہ بڑی تعریف والا ہے۔ بخیل نہیں۔ دیتا ہے تیسرے یہ کہ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ وہ دینے پر قادر بھی ہے بعض لوگ مال والے بھی ہوتے ہیں سخی بھی ہوتے ہیں مگر مدد کر نہیں سکتے۔ مثلاً کوئی کسی بیماری میں مبتلاء ہے ایک مالدار وہاں اس کی مدد نہیں کر سکتا۔ گو چاہتا ہے یا کوئی شخص کسی دور دراز ملک میں مبتلائے مصیبت ہو تو اگر اس کے دوست مالدار بھی ہوں مدد کرنا بھی چاہیں تو بھی اس کی مدد کر نہیں سکتے۔ پس فرمایا کہ اللہ تعالےٰ صاحب مُلک ہے پھر سخی ہے پھر اس بات پر قادر ہے کہ جس کی چاہے مدد فرمائے۔ اس لئے ہر ایک چیز اسی کی تسبیح کرتی ہے کیونکہ اس کی محتاج ہے اور وہ صاحب مُلک منعم اور صاحب قدرت ہے ہر جگہ ہر مقام پر انسان کی مدد کر سکتا ہے۔ کوئی سمندر میں ڈوب رہا ہو یا جنگل میں بھٹک رہا ہو۔ پہاڑ پر ہو یا ویرانے میں۔ آبادی میں ہو یا غیر آبادی میں ہر جگہ خداوند تعالیٰ مدد دے سکتا ہے کہیں اس کو کوئی روک نہیں سکتا کوئی حاکم ایسا نہیں اور کوئی روک ایسی نہیں جو اس کو باز رکھ سکے۔ جب اتنی باتیں اس شخص میں جمع ہوں تو کیوں زمین و آسمان کی ہر ایک چیز اس کی تسبیح نہ کرے ÷

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ فَمِنْکُمْ کَافِرٌ وَّمِنْکُمْ
وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا۔ پس کچھ تو تم میں سے کافر ہو گئے اور کچھ تم
مُّؤْمِنٌ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝
میں مومن اور اللہ اس کو جو تم کرتے ہو دیکھنے والا ہے

وہی ہے جس نے پیدا کیا تم کو۔ پھر کیا نتیجہ ہوا۔ دو گروہ بن گئے کچھ کافر ہو گئے کچھ مومن ہو گئے۔ خداتعالےٰ فرماتا ہے کہ ہم نے جبراً کسی سے کچھ نہیں منوایا۔ ہم نے بنا کر کہا کہ جاؤ کام کاج کرو پس بعض نے تو اللہ کی صفات اور اس کے احسانات کو دیکھ کر مان لیا۔ اور بعض ایسے بے حیا ہیں کہ خدا سے مانگتے بھی جاتے ہیں اور وہ دیتا جاتا ہے لیکن پھر بھی اکڑتے ہیں کہ ہم کسی کے محتاج نہیں۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے میں تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہوں غافل نہیں ہوں ÷

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ
پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو ساتھ حق کے
وَصَوَّرَکُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَکُمْ وَ
اور صورتیں بنائیں تمہاری پس اچھی صورتیں تمہاری اور
اِلَیْہِ الْمَصِیْرُ ۝
اسی کی طرف تمہیں لوٹ کر جانا ہے

اللہ تعالےٰ نے آسمانوں کو پیدا کیا اور زمین کو پیدا کیا حق کے ساتھ۔ اور تمہیں بھی پیدا کیا اور ایسی شکل دی جو نہایت اعلیٰ درجہ کی شکل ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ فرماتا ہے کہ ہم نے زمین و آسمان سب کچھ پیدا کیا ہے مگر تمہاری پیدائش ہر ایک چیز سے نرالی ہے۔ تمہیں ایسی صورت اور شکل عنایت کی ہے جو سب صورتوں اور شکلوں سے اعلےٰ اور اکمل ہے اور تم دنیا کی ہر چیز پر حکومت کرتے اور اس سے فائدہ اٹھاتے ہو کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ اس خاص سلوک میں کوئی خاص حکمت بھی ہے اور وہ یہی ہو سکتی ہے کہ ایک دن تم کو اللہ کے پاس لوٹ کر جانا ہے اس لئے تم کو ایسے اعضا دیئے گئے تمہارے دل و دماغ کو ایسے قالب میں ڈھالا کہ وہ سب سے الگ اور نرالی کیفیات کے پیدا کرنے والے ہو گئے عقل اور دانائی اور تمیز میں دوسری تمام اشیاء سے ممتاز یہ کیوں ہوا۔ اس لئے کہ دیگر اشیاء کو محاسبہ کے لئے نہیں پیدا کیا گیا تھا اور نہ ان کی پیدائش کی یہ غرض تھی کہ ان کو ہمیشہ قائم رکھا جائے گا اس لئے ان کو ایسی شکل و صورت

اکمل ہو دینے کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ وہ اس غرض کے لئے
پیدا کی گئی تھیں کہ انسان کی خادم ہوں اور یہ اُن سے فائدہ
اُٹھاکر قسم قسم کے اعمال نیک کرے۔ پس اگر انسان اپنی پیدائش
اور صورت پر ہی غور کرے تو اس کی سمجھ میں آسکتا ہے کہ اسے
اپنے پیدا کرنے والے کے پاس جاکر ان انعامات کا حساب و
کتاب دینا ہوگا جو اس پر ہوئے ÷

يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

(اللہ) جانتا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے

وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۭ

اور جانتا ہے جو کچھ تم پوشیدہ کرتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ

اور اللہ علم رکھتا ہے سینوں کی باتوں کا

اگر یہ کہو کہ ہم جو کام کریں گے۔ اللہ ان کو نہیں جان سکتا۔ یا
اگر محاسبہ تو ہونا ہے لیکن اللہ کو کیا معلوم ہے کہ ہم نے کیا
کیا کیا۔ اس لئے اس کے سامنے جھوٹ بول دیں گے یہ نہیں
ہوگا۔ بلکہ اللہ تو خوب جانتا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے
اور تمہاری پوشیدہ اور ظاہری باتوں اور کاموں کو بھی یعنے بعض ایسے
ارادے جن کو تم دل میں ہی رکھتے ہو اور زبان پر نہیں لاتے
ان کو بھی اللہ اچھی طرح جانتا ہے ÷

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ

کیا نہیں آئی تمہارے پاس خبر ان لوگوں کی جو کافر ہوئے اس سے

قَبْلُ ۡ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ

پہلے پس انہوں نے چکھا اپنے کام کا نتیجہ اور ان کے لئے

عَذَابٌ اَلِيْمٌ

عذاب ہے دردناک

اگر تم کہو کہ یہ صرف ڈرانے کی باتیں ہیں۔ سزا وغیرہ تو کوئی ملے گی
نہیں تو اپنے سے پہلی ان قوموں کو دیکھو جن کے اعمال و اقوال
تمہارے اقوال و اعمال کے مشابہ تھے اور انھوں نے بھی کفر کیا
ان کو خدا نے تباہ کر دیا ہے کہ نہیں۔ ان کی خبریں تم کو آ چکی
ہیں۔ انھوں نے کفر کرکے کوئی اچھا پھل نہیں پایا۔ اگر ان کے کام
اور اعمال خدا کو معلوم نہ ہوتے تو وہ تباہ و برباد کیوں ہوتے۔
اس سے ثابت ہے کہ خدا عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ہے۔
پہلی قوموں نے جو کچھ کیا تھا اس کا مزا انھوں نے چکھ لیا تم
جو کرو گے اس کا مزا تم چکھو گے اس دنیا میں بھی اور اگلی میں
بھی ÷

ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ

یہ اس لئے ہوا کہ آتے تھے ان کے پاس رسول ان کے

بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ۡ

بینات لے کر پس کہا انھوں نے کیا انسان ہم کو ہدایت کریں گے

فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ۭ

پس وہ کافر ہو گئے اور انھوں نے منہ پھیر لیا اور بے پرواہ ہے اللہ

وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ

اور اللہ غنی اور حمید ہے

ان کو انکار کرنے کی جرأت کیوں ہوئی۔ اس لئے کہ جب ان کے
پاس رسول آئے تو انھوں نے کہا کہ یہ تو ہماری طرح کے بشر ہیں
یہ ہم کو کیا ہدایت دے سکتے ہیں۔ اس لئے بگڑ گئے اور کہا کہ ہم
ان کی اطاعت نہیں کرتے۔ پھر خدا ان کا کوئی محتاج نہیں وہ تو
غنی ہے اور تعریفوں والا ہے۔ اس کو کیا ضرورت تھی کہ انکی
خوشامدیں کرتا کہ ضرور اس رسول کو مان لو۔ جب انھوں نے نہ مانا
تو اس نے انھیں تباہ کر دیا۔ ان کو سزا اس لئے ملی کہ (۱) رسول
کو کہہ دیا کہ ہم تیری اطاعت نہیں کرتے (۲) یہ کیوں کہا اس لئے
کہ انھوں نے سمجھا کہ بشر ہماری ہدایت کے لئے نہیں آنا چاہئے
تھا۔ دنیا میں انسان ہی انسان کو ہدایت کر رہا ہے۔ لیکن نہ
معلوم رسولوں پر یہ اعتراض کیوں کیا جا رہا ہے۔ ایک مشرک
انسان کو خدا تو مان سکتا ہے لیکن کیا وجہ ہے کہ انسان کو رسول
نہیں مانتا۔ ایک سناتنی پتھر کو تو خدائی کا درجہ دے سکتا ہے۔

لیکن بشر کو رسول نہیں مان سکتا۔ ایک دہریہ عقل انسانی پر چلتا ہے۔ لیکن پھر بھی انسان کو ہدایت کا موجب نہیں سمجھتا۔ تمام لوگوں کے عقائد سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ انسان ہی انسان کی ہدایت کا ذریعہ ہے +

زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ط

دعویٰ کیا ان لوگوں نے جو کافر ہوئے کہ ہم ہرگز نہ اٹھائے جائینگے

قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ

انہیں کہدو ایسا ہی اور میرے رب کی قسم ضرور تم اٹھائے جاؤ گے پھر

لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ط وَذٰلِكَ

تمہیں بتایا جائے گا جو کچھ تم نے کیا اور یہ

عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ

اللہ کے لئے آسان ہے

پھر کچھ شریر لوگ ایسے ہیں۔ جو کہتے ہیں کہ ہم مر کر نہیں اُٹھیں گے ان کو کہدو کہ نہیں تم غلط کہتے ہو جو کچھ ہم نے کہا وہی ٹھیک ہے اور اپنے رب کی قسم کھا کر کہدے کہ تم ضرور اُٹھائے جاؤ گے اور یہ اللہ کے لئے آسان بات ہے۔ فرمایا کہ اپنے رب کی قسم کھا کر ان سے کہدو۔ قسم شہادت کے لئے ہوتی ہے۔ پس رب کی قسم سے یہ مراد ہے کہ صفت ربوبیت ان کے سامنے بطور شہادت کے پیش کرو کہ یہ لوگ بعد موت اُٹھائے جائینگے اور وہ اس طرح کہ ربّ کے معنے ہیں کہ ایک ادنیٰ چیز کو ترقی دیکر اعلےٰ پر پہنچانا۔ جس قدر چیزیں دُنیا میں پیدا ہوتی ہیں اور آہستہ آہستہ ترقی کرکے ادنیٰ سے اعلےٰ درجہ پر پہنچتی ہیں وہ سب صفت ربوبیت کے ماتحت ہیں۔ مثلاً ایک بیج ہے اس کو زمین میں ڈال دیا جاتا ہے۔ جس کو خدا کی ربوبیت ترقی دیکر کئی دانے بنا دیتی ہے۔ پس یہ شک کرنا کہ مٹی ہو کر پھر کیونکر ہم پیدا ہو جائینگے۔ غلط ہے۔ دیکھتے نہیں کہ کس طرح غلہ کو لوگ کھا جاتے ہیں۔ کچھ غلہ باقی رہ جاتا ہے۔ اس سے بیج ڈالتے ہیں اور ایک دانہ سے کئی دانے پیدا ہو جاتے ہیں اسی طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ انسان خاک ہو پھر اس میں سے ایک خاص ذرہ کو محفوظ رکھ لیا جائے اور اُسے دانے کی طرح ترقی دیکر بڑھا دیا جائے تو یہ کچھ تعجب کی بات نہیں۔ بڑ کا اتنا بڑا درخت ایک رائی کے دانہ کے برابر بیج سے پیدا ہو جاتا ہے پس جب تم کو خدا کی ربوبیت بتا رہی ہے کہ کس طرح چیزیں مٹ کر پھر بنجاتی ہیں۔ تو تم کس طرح پھر اُٹھنے کو ناممکن قرار دیتے ہو +

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ

پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اُس نور پر

الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

جو کہ اتارا ہم نے اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو

خَبِيْرٌ

اس کی خبر رکھتا ہے

کفار کی نظیر تو تم دیکھ ہی چکے ہو۔ پس تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ جب بعثت بھی ہوگی۔ اور خدا علیم و خبیر بھی ہے۔ تو اس کو مان ہی لو۔ اور اس کے رسول کو بھی۔ اور قرآن کو بھی مان لو اور جو کچھ تم کرتے ہو۔ اللہ جانتا ہے۔ تمہارے اعمال ضائع نہ ہوں گے +

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ

جس دن تم کو اکٹھا کریگا اللہ اکٹھا کرنیکے دن

ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ط

یہی دن مقابلہ کا دن ہوگا

ان باتوں سے تم سمجھ لو کہ ایک دن تم سب کے جمع ہونے کا بھی ہے۔ اس لئے تم کم از کم اتنا ہی خیال کرو۔ کہ اس دُنیا میں چھوٹے چھوٹے کاموں میں جب تم چاہتے ہو کہ مقابلہ کے وقت پیچھے نہ رہیں تو وہاں تو تمام جہان کے لوگ ایک جگہ جمع ہونگے۔ ان کے مقابلہ میں کیا تمہیں شرم نہ آئے گی +

تغابن۔ غبن کے معنے۔ (۱) کسی کے مال کو لے بھاگنا (۲)
تغابن۔ مقابلہ اور ہار جیت کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے

وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا
اور جو ایمان لائے اللہ پر اور اچھے عمل کرے

يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ
ڈھانپ دیگا اللہ اس کی برائیوں کو

پہلے تو سزا کا حال بیان فرمایا ہے۔ اب انعام کا ذکر ہے کہ جو اللہ پر ایمان لائے گا اور اچھے کام کرے گا۔ اس کے گناہ ڈھانپ دیئے جائیں گے۔ کفر سے ہی کَوَرْ نکلا ہے جس کے معنے ڈھانپنے کے ہیں۔ اگر اللہ تعالےٰ لوگوں کو صرف بخش تو دیتا لیکن ان کے بُرے اعمال اور افعال کو لوگوں کے سامنے ظاہر بھی کر دیتا تو ان کے لئے کتنی ذلت کی بات ہوتی۔ بہت لوگ ہوتے ہیں جو بُرے کام کی سزا کو تو پسند کر لیتے ہیں لیکن یہ ہرگز پسند نہیں کرتے کہ ان کے عیوب افشاء کئے جائیں تو اکثر فطرتیں ایسی ہوتی ہیں جو کہ سخت سے سخت مُصیبت کو برداشت کر لیتی ہیں لیکن لوگوں کے سامنے اپنی ذلت کو برداشت نہیں کر سکتیں۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ مومن انسان کو ذلیل نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ اس کے گناہ ڈھانپ دیئے جائیں گے۔ اگر ایک آدمی جنت میں تو چلا جاتا لیکن لوگ اس کو کہتے کہ آپ نے فلاں وقت زنا کیا تھا۔ چوری کی تھی یا فلاں بُرا کام کیا تھا تو اس کے لئے کتنی ذلت کی بات ہوتی مگر مومنوں کو خدا اس ذلت سے بچائے گا۔ اور ان کے بُرے کاموں کو ڈھانپ دے گا یہ بھی ایک انعام ہے +

وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ
اور داخل کرے گا ان کو جنت میں بہتی ہیں جن کے

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ
نیچے نہریں ہمیشہ کے لئے اس میں

اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ
رہیں گے یہ بہت بڑی کامیابی ہے

اور ان کو جنتوں میں داخل کیا جائے گا۔ اور جنت ایسے ہونگے جن کے نیچے نہریں بہتی ہونگی۔ اور وہ بہشتوں میں ہمیشہ رہینگے ان کو وہاں سے نکلنے کا کوئی خوف نہ ہوگا۔ دیکھو یہ ان کے واسطے کتنی بڑی کامیابی ہوگی +

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا
اور وہ لوگ جو کافر ہوئے اور جھٹلایا

بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ
ہماری نشانیوں کو یہ لوگ رہنے والے ہیں آگ کے

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ
ہمیشہ رہنے والے اُس میں اور بُری جگہ ہے لوٹنے کی

اور جو کافر ہوئے اور جھٹلایا ہماری نشانیوں کو۔ وہ آگ میں رہنے والے ہیں۔ اسی میں رہیں گے اور کتنی بُری جگہ ہے انکے لئے + خدا کرے کہ تم لوگ قیامت کے دن جیتنے والوں میں سے ہو جاؤ +

رکوع دوم

(۲۲۔ اپریل ۱۹۱۴ء)

ایک بزرگ تھے۔ ان سے ایک طالب علم پڑھا کرتا تھا۔ جب وہ تحصیل علم کر کے واپس گھر چلا تو انھوں نے پوچھا۔ تمہارے ملک میں شیطان ہوتا ہے۔ اس نے بڑے تعجب سے کہا۔ شیطان کہاں نہیں ہوتا۔ ہر ایک جگہ شیطان ہوتا ہے کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں شیطان نہ ہو۔ انھوں نے کہا تم اس سے بچنے کا کیا علاج جانتے ہو اس نے کہا کہ اس کا مقابلہ کیا جائے جو بات وہ کہے ہم کہدیں نہیں مانتے انھوں نے کہا اگر پھر وہ کہے۔ اسی طرح تیسری چوتھی۔ پانچویں چھٹی بار کہتا ہی جائے۔ اور باز نہ آئے تو پھر کیا کرو۔ اس نے جواب دیا کہ بس انکار ہی کرتے جائیں انھوں نے فرمایا اگر اسی طرح تم اس سے مقابلہ کرتے رہو گے۔ تو خدا کے پاس جانے کا تم کو کونسا موقع ملے گا۔ اس نے عرض کیا کہ پھر آپ ہی تدبیر بتائیں +

فرمایا۔ تم اگر ایک مکان میں جاؤ اور اس مکان والے کا

کُتا کاٹنے والا ہو جو تمہارے پاؤں کو پکڑ لے۔ اور تمہارے ہٹانے سے نہ ہٹے تو تم کیا کرو گے۔ اس نے کہا پھر میں مالک مکان کو آواز دُونگا کہ کتے کو ہٹاؤ۔ اس بزرگ نے کہا۔ یہی طریق شیطان کے ہٹانے کا ہے۔ اور ہر ایک مصیبت اور تکلیف سے بچنے کا صرف یہی ایک طریق ہے کہ خدا تعالےٰ کی طرف رجوع کیا جاوے۔ شیطان انسان کو بھُلانے اور پھسلانے کی بڑی بڑی تدبیریں کرتا ہے اور انسان اس کا مقابلہ کرنے کی تیاریاں کرتے ہیں ہر ایک مذہب کے لوگوں نے اپنی اپنی عقل کے مطابق تدبیریں بنائی ہوئی ہیں لیکن یہ انسانی تدبیریں ہیں ان سے شیطان پر غالب آنا بہت مشکل کام ہے۔ اس لئے شیطان کو پچھاڑنے کی صرف یہی تدبیر ہے کہ انسان خدا تعالےٰ کے حضور میں گر جاوے اور کہے اے مولیٰ! مجھ میں طاقت نہیں کہ شیطان کا مقابلہ کر سکوں تُو اپنے فضل اور کرم سے ہی مجھے اس کے شر سے بچالے ؛

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا

نہیں پہُنچتی کوئی مصیبت مگر

بِاِذْنِ اللّٰهِ

اللہ کے حکم سے

کوئی مصیبت پہُنچنے والی نہیں پہُنچتی مگر اللہ کے حکم سے پہنچتی ہے۔ پس جب اللہ کے حُکم کے سوا مصیبت نہیں پہُنچ سکتی تو مصیبتوں سے بچنے کا طریق یہی ہے کہ اللہ تعالےٰ کو ہی کہا جاوے کہ وہ حکم ہی نہ دے اور ہمیں سب مصائب سے بچالے ؛

وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ

اور جو ایمان لائے اللہ پر (اللہ) ہدایت کرتا ہے اسکے دلکو

اور اللہ تعالےٰ سے عرض کرنے کا یہ طریق ہے کہ انسان اللہ تعالےٰ پر پورے طور پر اور اخلاص سے ایمان لے آئے۔ پھر جو اللہ تعالےٰ پر ایمان لے آئے۔ اس کی نسبت اللہ فرماتا ہے کہ ہم خود اس کے دل کو ہدایت کی طرف مائل کر دیتے ہیں اور جب کوئی شخص ہدایت پا جاتا ہے تو پھر وہ مصائب و آلام سے محفوظ ہو جاتا ہے ؛

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ

اور اللہ ہر ایک چیز کا علم رکھتا ہے

اس آیت میں یہ بتایا کہ طبیب وہی اعلےٰ ہوتا ہے جو واقف ہو۔ اور تشخیص خوب کر سکتا ہو۔ اور اللہ تعالےٰ تو ہر چیز کا دانا اور علیم ہے۔ اس کے بتائے ہوئے طریق سے کونسا علاج نہیں ہو سکتا ہے۔ پس تم اس علاج پر کاربند ہو جاؤ ؛

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ

اور اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی

اللہ تعالےٰ اور اُس کے رسول کے فرمانبردار ہو جاؤ ؛

فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى

پس اگر پھر جاؤ تم تو سوائے اس کے نہیں کہ

رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ

ہمارے رسول پر پہنچا دینا ہے کھول کر

پس اگر تم پھر جاؤ گے تو ہمارے رسول کا کام تم سے زبردستی منوانا نہیں کہ تلوار سے تم سے اقرار کروائے۔ اس کا کام صرف پہُنچا دینا ہے ؛

قرآن شریف میں اس بات پر بہت زور دیا گیا ہے لیکن کم عقل لوگ پھر بھی کہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ حالانکہ قرآن شریف میں صاف آیا ہے کہ رسول کا کام زبردستی منوانا نہیں بلکہ پہُنچا دینا ہے۔ ماننا نہ ماننا لوگوں کی مرضی پر منحصر ہے یہ بات کہنے کو تو تمام مذہبوں والے کہتے ہیں کہ ہمارا مذہب جبر سے نہیں پھیلا۔ لیکن جب ان سے اس کا ثبوت مانگا جاتا ہے تو اپنی کتب سے کچھ نہیں دے سکتے۔ وید میں مذہب کے لئے جو تلوار چلی وہ کوئی پوشیدہ بات نہیں رگ وید ایسے منتروں سے بھرا پڑا ہے جن سے دوسرے مذاہب کی تباہی کا پتہ چلتا ہے۔ یہ صرف اسلام کو ہی شرف حاصل ہے کہ کسی پر جبر نہ کرنے کا ثبوت اپنی کتاب سے دیتا ہے

اللہ اور رسول کی اطاعت کے لئے قرآن کریم بار بار زور دیتا ہے لیکن لوگ کہتے ہیں کہ اطاعت کرنے کی وجہ ہمارے

آزادی نہیں رہ سکتی۔ اور انھوں نے آزادی کے معنی "کسی کی بات نہ ماننا" غلط سمجھے ہوئے ہیں حالانکہ خدا اور اس کے رسول کی بات ماننا ہی آزادی ہے۔ کیونکہ آزادی کی یہ غرض ہوتی ہے کہ انسان کا نشوونما اچھی طرح ہو۔ قویٰ خوب بڑھیں لیکن جس طرح خدا اور رسول کی اطاعت میں قویٰ بڑھتے ہیں۔ اور کسی طرح نہیں بڑھ سکتے۔ ایک آدمی رسول پر ایمان لاتا ہے اور اسکو خدا کی طرف سے بار بار الہام ہوتا ہے کہ تمہیں ترقی ہوگی۔ تمہارے دشمن ہلاک کئے جائیں گے وہ ہرگز تم کو نقصان نہیں پہنچا سکتے کیا جس دل کو اس طرح تسلی اور اطمینان مل رہا ہو اس کا مقابلہ کوئی اور دل کر سکتا ہے +

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ؕ وَعَلَی اللّٰہِ

اللہ ہی ہے نہیں کوئی معبود مگر وہی اور چاہیئے کہ اللہ پر

فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ

توکل کریں تمام مومن

کوئی معبود نہیں مگر وہی اللہ۔ مومنوں کو اللہ پر ہی بھروسہ رکھنا چاہیئے۔ کل گناہ توکل کے نہ ہونے کی وجہ سے ہوتے ہیں مثلاً گھر میں فاقہ ہے۔ اس وقت چاہیئے تو یہ کہ انسان خدا کے حضور گرے اور کہے کہ اے میرے رازق تو میرے اخراجات کی کوئی سبیل نکال۔ لیکن نہیں وہ چوری کرتا ہے اور اس کو فاقہ سے نجات پانے کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ ایک آدمی کے شہوانی قوئے زوروں پر ہوتے ہیں اُسے خدا سے دُعا کرنی چاہیئے تھی لیکن وہ زنا کرتا ہے۔ غرض جب انسان خدا پر سے توکل چھوڑتا ہے تو گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ مگر مومن جب اللہ پر توکل کر لیتا ہے تو ہر ایک گناہ سے بچ جاتا ہے +

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو تحقیق

اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا

تمہاری عورتوں اور تمہاری اولاد سے بعض تمہارے دشمن ہیں

لَّکُمْ فَاحْذَرُوْھُمْ ۚ وَاِنْ

پس بچو ان سے اور اگر

تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا

معاف کرو اور درگذر سے کام لو اور بخش دو

فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○

تو اللہ بھی بخشنے والا اور رحم کرنیوالا ہے

گناہوں سے بچنے کے لئے پہلے فرمایا۔ کہ (۱) یہ نہ سمجھو کہ اپنی کوششوں سے نجات پا جاؤ گے بلکہ طریقہ یہ ہے کہ خدا اور اس کے رسُول کو مان لو۔ اور اُس کی طرف جھک جاؤ (۲) اللہ تعالےٰ پر توکّل کرو اور شرک نہ کرو۔ اب تیسری بات یہ بیان فرمائی کہ انسان بعض ایسے ذرائع سے گناہ کا ارتکاب کرتا ہے جو سمجھتا نہیں وہ یہ ہے کہ عورت اور بچوں کی وجہ سے گناہ ہو جاتے ہیں۔ مثلاً بیوی جب اپنے خاوند کو بڑی محبت اور پیار میں دیکھتی ہے تو اس کو گناہ کی طرف متوجہ کر لیتی ہے۔ دو واقعے تو بہت مشہور ہیں۔ (۱) حضرت آدم علیہ السلام نے عورت کی وجہ سے ہی خدا کی نافرمانی کی اور بہت تکلیف اٹھائی (۲)، بلعم باعور کا واقعہ ہے کہ ان کو بھی عورت نے ہی بد دُعا کے لئے اُبھارا تھا جس کا خمیازہ انھیں بہت بُرا اُٹھانا پڑا۔ اس لئے فرمایا کہ تم اپنی اولاد اور ازواج کو دیکھتے رہو یہ بھی کسی وقت تمہارے لئے دشمن ثابت ہو جاتے ہیں بعض بیویاں روٹھ بیٹھتی ہیں کہ زیور بنوا کر دو۔ پھر بیچارے خاوندوں کو جائز یا ناجائز طریق سے ان کی خواہش پُوری کرنی پڑتی ہے فرمایا کہ بیرونی دشمنوں کے علاوہ اندرونی دشمن بھی ہوتے ہیں یعنی بیویاں اور بچے۔ تم اُن سے بچتے رہا کرو۔ اب یہ جو فرمایا ہے کہ ان سے بچتے رہو تو اس سے یہ اندیشہ تھا کہ لوگ اپنی اولاد اور بیویوں کی غلطیوں کو دیکھ کر ان سے تعلق قطع کر لیں گے اور اس طرح فتنہ پیدا ہوگا۔ جس کو اسلام کسی صورت میں بھی جائز نہیں رکھتا۔ اس لئے فرمایا کہ اگر ان کی غلطیاں یا گناہ دیکھو تو ان سے بدسلوکی نہ کرنا۔ بلکہ عفو۔ درگذر اور چشم پوشی کرنا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ کہ اللہ

ن کے گناہوں کو بخش کر ان کو بھی نیک بنا دے گا کیونکہ وہ رحیم ہے۔ اپنا رحم کر کے تم میں آشتی پیدا کر دے گا ؛

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ

سوائے اس کے نہیں کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد کھرے اور کھوٹے کے پرکھنے کا ذریعہ ہیں

پھر ایک اور بات کی طرف متوجہ فرمایا۔ کہ یہی بیویاں اور اولاد تمہاری کمی درجہ کی ترقی کا موجب ہو سکتی ہے۔ یہ تمہارے اموال اور اولاد کھوٹے کھرے کے پرکھنے کے لئے ہے ؛

فِتْنَةٌ ۔ کے معنے عذاب اور مصیبت کے نہیں کیونکہ اللہ تعالےٰ مال اور اولاد کو رحمت بیان فرماتا ہے ؛

وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝

اور اللہ کے پاس اجر ہے بڑا

مال اور اولاد دینے میں یہ حکمت ہے کہ خدا تم کو سمجھاتا ہے کہ خدا کے پاس بڑے بڑے انعام ہیں۔ جب وہ مال اور اولاد ایسی چیزیں بغیر محنت کے تمہیں دیتا ہے تو اس سے یہ سمجھنا چاہیئے تھا کہ اگر ہم خدا کی عبادت اور فرمانبرداری کریں گے تو ہمیں کیا کچھ نہ ملے گا ؛

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا

پس تقویٰ کرو اللہ کا جتنا کہ تم کر سکتے ہو اور سنو

وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ

اور اطاعت کرو اور خرچ کرو بہتر ہوگا تمہاری جانوں کے لئے

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ

اور جو بچایا جائے اپنے نفس کی بخیلی سے پس یہی لوگ

هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

کامیاب ہونیوالے ہیں

تو تمہیں اس نتیجہ پر پہنچ کر تقوے اختیار کرنا چاہیئے جتنا بھی تم سے ہو سکے۔ اس ڈر نے کا نتیجہ یہ ہو کہ اللہ تعالےٰ کی باتیں سنو اور ان کو مانو اور پھر مان کر لوگوں میں پھیلاؤ۔ اور تبلیغ

میں خوب روپیہ خرچ کرو یہ تمہارے لئے بہت اچھا ہو شخص اس میں بخل نہیں کرے گا وہی کامیاب ہوگا ؛

اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا

اگر تم قرض دو گے اللہ کو قرض اچھا

يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ

تو بڑھائے گا اسے تمہارے لئے اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا

اگر تم اللہ کے راستے میں خرچ کرو گے تو وہ تمہارے اس اور زیادہ بڑھا دے گا۔ اور تمہاری کمزوریوں اور گناہ ڈھانپ دے گا ؛

وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝

اور اللہ بڑا قدردان حلیم ہے

دنیا میں کوئی فطرت ایسی نہیں ہوتی کہ اگر کوئی اس پر احسان کرے تو وہ اپنے محسن کو نہ مانے۔ اللہ تعالےٰ تو بڑا قدردان ہے۔ اگر تم اس بات کو مان کر اس کی راہ میں خرچ کرو تم کو بڑے بڑے انعام واکرام سے سرفراز فرماوے گا

حَلِيْمٌ ۔ حلم کے معنے دانائی کے ہیں۔ تحمل کے معنے اس لئے ہوئے۔ کہ دانا آدمی جلدی غضب میں نہیں آتا وہ ہر ایک بات کو سوچ لیتا ہے کہ اس کا انجام کیا ہوگا کہیں مجھے یہ کام کرنے کے بعد شرمندگی تو نہیں اٹھانی پڑے گی اس لئے دانا آدمی تحمل سے کام کرتا ہے ؛

شَكُوْرٌ ۔ يُضٰعِفْهُ کے مقابلہ میں ہے۔ کہ وہ تمہارے مالوں کو بڑھا دے گا۔ کیونکہ وہ بڑا قدردان ہے ؛

حَلِيْمٌ ۔ يَغْفِرْ لَكُمْ کے مقابلہ میں ہے کہ وہ گناہوں کو بخش دے گا۔ کیونکہ وہ بڑا دانا ہے۔ اور ظلم

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ

وہ عالم ہے غیب کا اور ظاہر کا اور غالب

الْحَكِيْمُ ۝

حکمت والا ہے

یہ ساری سورۃ کا خلاصہ ہے کہ (۱) اللہ غیب کی باتوں کو جانتا ہے (۲) جو ظاہر چیزیں ہیں ان کو بھی (۳) تمہارے گناہوں کا اُسے خوب علم ہے اور وہ ان کی سزا تم کو دے سکتا ہے بعض دفعہ دُنیاوی حاکموں کو باوجود علم ہونے کے کسی کو سزا دینے کی جرأت نہیں ہوتی۔ لیکن خدا غالب ہے اور سزا بھی دے سکتا ہے اور جزا بھی۔ (۴) وہ حکیم ہے اس کے کام بڑی بڑی حکمتوں پر مبنی ہیں۔ اندھا دھند نہیں ہوتے۔ اس سے نہ کوئی ناجائز فائدہ اُٹھا سکتا ہے نہ اسے بھڑکا سکتا ہے۔ پس تم اپنے کاموں اور اعمالوں میں درستی کروگے تب ہی اس کی سزاؤں سے بچ سکوگے ؞

سورۃ الطلاق

رکوع اوّل

(۲۳- اپریل ۱۹۱۴ء)

طلاق کا مسئلہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ صدیوں سے اس کے متعلق بحث چلی آتی ہے۔ صدیاں کیا بلکہ جب سے انسان پیدا ہوا ہے۔ اسی وقت سے یہ بات معرض بحث میں ہے کیونکہ نسل انسان کا بقاء شادی پر ہے۔ اور جب شادی ہوگی تو میاں بیوی میں بعض اوقات رنجشیں اور جھگڑے بھی ہونگے پھر بعض جھگڑے ایسے بھی ہونگے جن کے متعلق صلح وصفائی ہونی ممکن نہیں ہوگی۔ اس لئے جُدائی ہوگی اس جُدائی کے لئے مختلف قوموں۔ نے مختلف طریقے قرار دیئے ہیں۔ بعض تو کہتے ہیں۔ کہ جس طرح شادی ہوتی ہے کہ مرد نے عورت کو کہدیا کہ میں نے قبول کیا اور عورت نے بھی کہا کہ میں نے قبول کیا تو شادی ہوگئی۔ اسی طرح جب ان میں نا اتفاقی ہو تو علیحدہ ہونے کے لئے مرد کا یہ کہنا کہ میں تجھے نہیں رکھتا۔ اور عورت کا یہ کہدینا کہ میں رہنا نہیں چاہتی کافی ہے۔ لیکن یہ لغویات ہے کہ اگر عورت کو کوئی مرد پسند آگیا یا مرد کو عورت پسند آگئی تو بس شادی ہوگئی۔ اور پھر چند دنوں کے بعد جب ان کا دل بھر گیا تو عورت یا مرد نے کہدیا کہ اب ہم اکٹھا نہیں رہنا چاہتے اور علیحدہ ہوگئے تو۔ ان کا طلاق ہوگیا۔ وحشی قوموں میں بھی رواج تھا اور اب بھی ہے لیکن جو قومیں مہذب ہیں انھوں نے شادی اور طلاق دونوں کے لئے قواعد باندھے ہیں ان قوموں کی شرطوں میں بھی سخت بڑا اختلاف ہے سکھوں میں رواج ہے کہ بھائی کی بیوی پر کپڑا ڈال دیا تو بس نکاح ہوگیا۔ خواہ بیچاری روتی پیٹتی اور شور مچاتی ہی کیوں نہ رہے ؞

یہود اور مسیحی اسلام کی قریبی قومیں ہیں لیکن ان میں بڑا اختلاف ہے۔ یہود کہتے ہیں کہ اگر عورت ناپسند ہو اور ذرا ناچاقی ہو تو طلاق دیدو۔ کوئی شرائط وغیرہ طلاق دینے کے متعلق ان میں نہیں۔ عیسائی تو بہت گر گئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ جب تک عورت زنا نہ کرے۔ طلاق نہیں دی جاسکتی اور نہ ہی طلاق ہو سکتی ہے وہ کہتے ہیں میاں بیوی کا جو تعلق جڑ گیا اس کو کوئی چیز اب توڑ نہیں سکتی اگر توڑے تو موت ہی توڑ سکتی ہے۔ عیسائیوں نے اسی وجہ سے اسلام پر بڑے بڑے اعتراض کئے ہیں کہ اسلام میں طلاق دینے کی اجازت ہے لیکن اب وہ بھی مجبور ہوگئے ہیں کیونکہ اوّل تو ان میں ایک سے زائد شادی کرنے کی اجازت ہی نہیں اور دوسرا جب ایک دفعہ شادی ہوگئی تو کوئی ایسی ممکن صورت نہیں کہ جس سے علیحدہ ہوسکیں خواہ ان میں سخت رنجش اور نااتفاقی پیدا ہو جائے اور وہ ایک دوسرے کی تکلیف کا باعث ہو رہے ہوں اس لئے عیسائیوں نے ان تکالیف سے مجبور ہو کر طلاق کے لئے کچھ قواعد بنائے ہیں کیونکہ ان کی یہ مصائب کچھ ایسی کم وزنی نہ تھیں کہ ان کو نہ بنانے پڑتے۔ مثلاً بیوی دیوانی ہے۔ اور وہ اس سکینت اور اطمینان کے علاوہ جو مرد کو عورت سے ملتا ہے۔ گھر کے معاملات اور کام کاج کو بھی درست نہیں رکھ سکتی۔ تو کیا اس عورت سے کسی مرد کا گذارہ ہو سکتا ہے یا بیوی اولاد پیدا کرنے کے ناقابل ہے یا اس کی کوئی اور بات سخت ناپسند ہے۔ جس کی وجہ سے دونوں میں محبت اور پیار کا ہونا ناممکن ہے۔ تو کیا ان کی زندگی آرام سے گذر سکتی ہے۔ ہرگز نہیں۔ ایسے مرد و عورت میں کبھی اتفاق نہیں ہوسکتا۔ اور نہ وہ علیحدہ ہوسکتے ہیں اس لئے عورت الگ زناء کرتی پھرتی ہے اور مرد الگ۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زناء کثرت سے پھیلتا ہے۔ عیسائیوں نے اپنے مذہب کو

چھوڑ کر طلاق کو بہت وسیع کر دیا ہے۔ جنہیں ان کو بہت مشکلات پیش آ رہی ہیں۔ اسلام نے جو احکام بیان کئے ہیں وہ بڑے محتاط ہیں۔ ان میں کوئی نقص نہیں ہے۔ اگر طلاق کو عام کیا جاتا کہ جب جی چاہا مل گئے۔ اور پھر علیحدہ ہو گئے تو زنا کچھ چیز ہی نہیں رہ جاتا کیونکہ زنا بھی تو یہی ہوتا ہے کہ ایک وقت کے لئے مل گئے۔ اور پھر جُدا ہو گئے۔ فرق ہے تو صرف یہ ہے۔ کہ لوگ جس کو زنا کہتے ہیں وہ ایک دو گھنٹے کا تعلق ہوتا ہے۔ اور دوسرا تعلق چند دنوں یا مہینوں کا۔ پھر اگر طلاق ذرا ذرا سی بات پر دینے کی اجازت ہوتی تو گذارہ ہونا مشکل ہو جاتا۔ اس لئے اسلام نے طلاق کو جائز بھی رکھا ہے اور ناجائز بھی جائز اس طرح کہ اگر میاں بیوی کی آپس میں لڑائی ہو جائے یا کوئی اور وجہ نااتفاقی کی پیدا ہو جائے تو دونوں طرف سے آدمی مقرر کئے جائیں جو کہ ان کی آپس میں صلح و صفائی کرا دیں۔ لیکن اگر پھر بھی صلح نہ ہو سکے اور ان میں اتفاق ہونا ناممکن ہو تو طلاق دیدیا جاوے۔ تاہم یہ احتیاط رکھی ہے کہ ان دنوں میں عورت کو طلاق نہ دینی چاہیئے جبکہ وہ حیض میں ہو۔ کیونکہ حیض کے دنوں میں مرد کا عورت سے خاص تعلق نہیں ہوتا۔ اس لئے اس کا غصہ دور نہیں ہو سکتا۔ حیض کے بعد ممکن ہے۔ کہ ان میں صلح ہو جائے۔ اور ان میں محبت اور پیار پیدا ہو جاوے۔ اور اگر پھر بھی نہ ہو تو یہ نہیں کہ عورت کو طہر کی حالت میں فوراً طلاق دے کر اپنے سے علیحدہ کیا جاوے۔ اور اس کو گھر سے نکال دیا جاوے۔ بلکہ تین ماہ کی میعاد رکھی ہے کہ شائد اس عرصہ میں ان کی کدورتیں دُور ہو جائیں۔ اور وہ صلح پر آمادہ ہو جائیں یہ طلاق دینے کے شرائط ہیں تاکہ انسان آزاد نہ ہو۔ پھر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا طلاق دینے والے سے بڑا ناراض ہوتا ہے۔ یہ شرائط ہوتے ہوئے مؤمن اور متقی تو چُپ کر کے گذارہ کرتا ہی رہے گا۔ لیکن اجازت بھی رکھی ہے۔ کہ اگر بغیر طلاق دئے گذارہ نہ ہو تو ان شرائط کے ماتحت دیدو۔ یہ ایسی بات ہے جو کسی اور مذہب میں نہیں پائی جاتی ۞

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ

اے نبی جب تم طلاق دو عورتوں کو

فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ ۔

تو انہیں طلاق دو ان کی عدت کے وقت

اے نبی (لوگوں کو کہدے کہ) جب تم عورتوں کو طلاق دو۔ تو ان کی عدت کے وقت دو۔ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عدت حیض کو قرار دیا ہے۔ اور فرمایا ہے۔ کہ عدت سے پہلے طلاق دو یعنی طہر کے زمانہ میں۔ جبکہ عورت حیض سے پاک ہو چکی ہو۔ طلاق کے لئے یہ عدت ہے کہ ایسے طہر میں ہو۔ جسمیں جماع نہ کیا ہو۔ اور طہر سے پہلے حیض میں طلاق نہ دی ہو ۞

وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ

اور یاد رکھو عدت کو۔ اور تقویٰ کرو اللہ کا جو تمہارا رب ہے

اور عدت کو خوب یاد رکھو۔ یعنی ان دنوں کی گنتی رکھو۔ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو ۞

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ

نہ نکالو انہیں ان کے گھروں سے اور نہ نکلیں وہ

اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ

مگر ایسی حالت میں کہ وہ کریں بیحیائی کھلی۔

اس کے دو معنے ہیں (۱) کہ نہ نکلیں گھروں سے۔ اور اگر وہ نکلیں تو ان کا نکلنا گناہ ہو گا (۲) ان کو گھروں سے نہ نکالو مگر ایسی حالت میں ہو کہ انہوں نے گناہ کیا ہو کھلا۔ یعنی زناء۔ حدیث میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ کے معنے لڑائی اور فساد بھی فرمائے ہیں ۞

وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَعَدَّ

یہ حدیں ہیں اللہ کی اور جو آگے نکلتا ہے

حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ

اللہ کی حدود سے۔ ظلم کرتا ہے اپنی جان پر

یہ جو اوپر شرائط بیان کی گئی ہیں یہ اللہ کی حدیں ہیں۔ جو ان سے آگے نکلتا ہے۔ یعنی ان کو توڑتا ہے وہ اپنی جان پر ظلم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو انسان کی بہتری کے لئے یہ حدیں مقرر کی ہیں جو ان کو توڑتا ہے۔ اس کو خود ہی نقصان اٹھانا پڑتا ہے ۞

لَا تَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ

نہیں جانتا تو شاید اللہ پیدا کر دے

بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا

بعد اس کے کوئی صورت

اگر کوئی کہے کہ یہ شرائط کیوں لگائی ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ تم نہیں جانتے کہ ہماری اس میں ایک غرض ہے۔ اور وہ یہ کہ اس طرح شاید تم میں صلح کی صورت پیدا ہو جائے۔

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ

پس جب پہنچیں اپنی مدت کو۔ پس ٹھیرا لو انہیں

بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا

اچھے طریق سے یا الگ کر دو انہیں عمدہ طریق سے اور گواہ بنا لو

ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ

دو صاحب عدل کو اپنے میں سے۔ اور قائم کرو شہادت کو اللہ کیلئے

جب ان کی مدت ختم ہو جائے۔ تو چاہیے تم ان کو روک لو یا جدا کر دو۔ اور دو گواہ رکھ لو۔ عورت کو جدا کرو۔ تب بھی۔ اور اگر نیت ہو کہ رجوع کر لیتے ہیں۔ تب بھی دو گواہ رکھ لو جو کہ قائم رکھیں۔ شہادت کو اللہ کے لئے تاکہ بعد میں اگر کوئی جھگڑا پڑے۔ تو آسانی سے فیصلہ ہو سکے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ اس سے رجوع ہی مراد ہے۔ یعنی اگر عورت کو رکھنا ہو۔ تو دو گواہ رکھ لینے چاہیئیں۔ لیکن چونکہ دونوں کے ساتھ آیا ہے اس لئے مناسب یہ ہے کہ عورت کو جدا کرتے وقت یا رکھتے ہوئے دونوں حالتوں میں دو گواہ رکھنے چاہیئیں ؁

ذٰلِكُمْ یُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ

یہ تمہارے لئے نصیحت حاصل کرتا ہے اس سے جو ایمان لائے اللہ پر

وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا

اور دن آخر پر اور جو ڈرے اللہ سے بنا دیگا اللہ اس کے لئے نکلنے کا رستہ

ان باتوں سے نصیحت کیا جاتا ہے وہ شخص جو اللہ پر اور یوم آخرۃ پر ایمان لاتا ہے۔ اور جو اللہ پر ایمان لاتا ہے۔ اور اللہ کا تقوےٰ اختیار کرتا ہے۔ اللہ اس کے لئے کوئی عمدہ راہ تکلیفوں سے بچنے کے لئے نکال دیتا ہے ؁

کیا بار بار تقویٰ کی تعلیم دی ہے۔ بیاہ۔ شادی اور طلاق کے معاملہ میں تقوےٰ پر بہت زور دیا گیا ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں جو آیتیں مقرر فرمائی ہیں۔ ان میں بھی تقویٰ پر ہی زور دیا ہے۔ (۱) واتقوا اللہ الذی تسٰألون بہٖ والارحام (۲)
یاایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وقولوا قولًا سدیدًا (۳)
یاایھا الذین امنوا اتقوا اللہ ولتنظر نفس ما قدمت لغد
اس سورہ میں بھی پانچ دفعہ تقویٰ کا ذکر آیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کام بہت اہم ہیں۔ لیکن جو کوئی اللہ کا تقویٰ اختیار کرے۔ اس کے لئے اللہ تعالےٰ آسانی کے راستے نکال دیتا ہے۔ پہلے تقویٰ کا حکم دیا تھا کہ واتقوا اللہ ربکم۔ اور اب وعدہ فرماتا ہے کہ اگر تم تقویٰ اختیار کرو گے تو تمہارے لئے بہتری کی سبیل ہو جائیگی ؁

وَّیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ

اور اسے رزق دیگا۔ ایسی جگہ سے کہ جس کا نہیں وہ خیال بھی کر سکتا

وَمَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ

اور جو توکل کرتا ہے اللہ پر۔ پس اللہ کافی ہے اس کیلئے

اور اللہ ایسی جگہ سے رزق دے گا۔ جہاں وہم و گمان نہیں پہنچ سکتا۔ جو اللہ پر توکل کرتا ہے۔ اللہ اس کے لئے کافی ہے۔ اس کو کسی اور کی مدد کی ضرورت نہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ

تحقیق اللہ پہنچنے والا ہے اپنے ارادہ کو

کیونکہ اللہ جو کام چاہتا ہے کر سکتا ہے۔ کوئی اس کو روک نہیں سکتا

قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا

بنایا ہے اللہ نے ہر چیز کے لئے اندازہ

ہر ایک چیز کے لئے اللہ تعالےٰ نے اندازے مقرر کئے ہوئے

ہیں۔ انسان کو بھی چاہیئے۔ کہ اس کے ہر ایک کام کے لئے انداز ہو۔ جب اللہ تعالےٰ نے ہر ایک چیز کے لئے اندازے مقرر کئے ہیں۔ تو انسان کو ان اندازوں کو دیکھ کر اپنا کوئی کام حد سے بڑھا ہوا نہیں کرنا چاہیئے نہ اس کا غیظ وغضب حد سے بڑھ جائے۔ کہ آپس میں صلح ہی نہ کرے۔ اور نہ اس کی نرمی اسقدر ہو کہ بے حیائی تک پہنچ جائے۔ حضرت مسیح موعود نے ایک دفعہ فرمایا کہ ایک شخص نے اپنے ایک دوست سے کہا کہ میری لڑکی کے لئے کوئی رشتہ تلاش کرو۔ چند دنوں کے بعد جب وہ ملا تو اس نے پوچھا کہ آپ نے تلاش کیا ہے۔ تو اس نے کہا کہ ہاں۔ اس نے لڑکے کی تعریف پوچھی۔ تو وہ کہنے لگا کہ بڑا ہی بھلامانس ہے۔ اس نے دو تین دفعہ پوچھا۔ لیکن اس نے یہی جواب دیا کہ بہت ہی غریب مزاج ہے۔ تو اس نے کہا کہ میں ایسے لڑکے سے اپنی لڑکی کی شادی نہیں کروں گا۔ جس میں صرف غریب مزاجی کی ہی صفت ہو کیونکہ ایسے آدمی سے تو یہ بھی امید نہیں کہ وہ اپنی بیوی کی عصمت کی بھی نگہداشت کر سکے تو بعض لوگوں کی طبیعت ایک ہی طرف ڈھل جاتی ہے۔ اگر وہ نرمی اختیار کریں۔ تو ہر ایک بات میں نرمی ہی استعمال کرتے ہیں۔ اور اگر سختی کریں۔ تو ہر ایک بات میں سختی ہی ان کا طریق ہوتا ہے۔ خدا فرماتا ہے کہ تم نہ کسی سے اتنا بغض بڑھاؤ کہ خدا کو چھوڑ دو۔ اور نہ کسی سے اتنی محبت کرو کہ وہ خدا کو تم سے چھڑا دے بلکہ ہر ایک بات میں اندازہ رکھو۔ دیکھو ہمارے کام اندازوں پر ہیں۔ ہم حکم نہیں دیتے کہ فوراً طلاق دے دو یا بالکل نہ دو۔

وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ
اور وہ عورتیں جو نا امید ہو گئی ہیں حیض سے تمہاری عورتوں میں سے
اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ
اگر شک میں ہو تم پس ان کے لئے عدت ہے تین ماہ
وَّالّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ ؕ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ
اور ان کے لئے بھی جو نہیں حائضہ ہوئیں۔ اور حمل والیاں
اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ
ان کا وقت ہے کہ جب وضع کر دیں حمل اپنا

وہ عورتیں جو حیض سے نا امید ہو گئی ہوں (۱) بوڑھی ہوں (۲) جن کو حیض نہ آتا ہو یعنی سن بلوغت تک نہ پہنچی ہوں (۳) وہ جو کہ بیمار ہوں یعنی استحاضہ والی۔ ان کے لئے تین ماہ کی عدت ہے اور حمل والیوں کی عدت ان کے ایام حمل ہی ہیں۔ جب بچہ جن چکیں تو عدت ختم ہو گئی۔ اس پر لوگوں نے بڑی بڑی بحثیں کی ہیں کہ اگر تین ماہ سے پہلے بچہ پیدا ہو جائے۔ تو کیا عدت ختم ہو جائیگی۔ بعض کہتے ہیں کہ کم سے کم تین ماہ ہونگے۔ مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک واقعہ ہوا تھا۔ ایک عورت کو تین ماہ سے پہلے وضع حمل ہو گیا تھا اور آپ نے اسے دوسری شادی کی اجازت دیدی تھی۔ اس لئے اس بات کا فیصلہ ہو چکا ہوا ہے۔

وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ
اور جو تقوٰے کرے اللہ کا کر دے گا اس کیلئے
مِنْ اَمْرِهٖ یُسْرًا ۝
اس کے کام میں آسانی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ جو کوئی اللہ تعالےٰ کا تقوٰی اختیار کریگا۔ اللہ اس کے کاموں میں آسانی پیدا کر دے گا۔ یعنی ان شرائط کے ماتحت اگر اس کو تکلیف اٹھانی پڑے گی۔ تو وہ آسان کر دی جائیگی

ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗۤ اِلَیْكُمْ ؕ
یہ اللہ کا حکم ہے۔ جس کو اتارا ہے تمہاری طرف
وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یُكَفِّرْ عَنْهُ
اور جو تقوٰی کرے اللہ کا ڈھانپ دیگا اس سے اسکی
سَیِّاٰتِهٖ وَیُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا
برائیاں اور دیگا اس کو بڑا اجر

یہ ایک خاص بات بیان فرمائی ہے۔ قرآن شریف میں یہ تو اکثر آیا ہے۔ کتب اللہ۔ لیکن اس طرح کم آیا ہے کہ انزلہ الیکم یہ خاص توجہ دلانے کے لئے ہے۔ کہ یہ تمہارے لئے اللہ کی طرف سے حکم نازل ہوا ہے۔ یوں تو سارا قرآن ہی اللہ کی طرف

سے اُترا ہے - لیکن اس بات پر خاص زور دیا گیا ہے کہ اگر تم تقوےٰ اختیار کرو گے - یعنی میاں کو بیوی کے جو قصور اور گناہ معلوم ہیں - ان کو معاف کر دیگا - اور بیوی کو میاں سے جو شکائتیں ہیں - ان کو چھوڑ دیگی - اور ایک دوسرے کی کمزوریوں کو دیکھ کر درگذر کرو گے - تو اللہ تعالےٰ تمہارے گناہوں کو ڈھانپ لیگا - اور اس کے بدلے میں بڑا اجر دے گا ؛

أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ

رکھو ان کو جس طرح تم رہتے ہو اپنے

مِّن وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوهُنَّ

مقدور بھر اور نہ تکلیف دو انکو

لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ ط

کہ تنگی کرو ان پر

جن عورتوں کو طلاق دیدو - ان کی عدت کے گذرنے تک ان کو وہاں رکھو - جہاں تم رہتے ہو اپنے مقدور کے مطابق اور ان کو ایذا نہ دو ؛

بعض شریر آدمی تنگ کرنے کے لئے عورت کو طلاق دیدیتے ہیں - پھر رجوع کر لیتے ہیں - پھر طلاق دیدیتے - اور اس طرح نہ اس کو علیحدہ کرتے ہیں نہ بساتے ہیں - خدا تعالیٰ فرماتا ہے - کہ لَا تُضَآرُّوهُنَّ تنگ نہ کرو ان کو ؛

وَإِن كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنفِقُوا

اور اگر ہوں حاملہ تو خرچ کرو

عَلَيْهِنَّ حَتَّىٰ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ج

ان پر یہاں تک کہ وضع کریں حمل اپنا

فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ

پھر اگر دودھ پلائیں تمہارے لئے تو

أُجُورَهُنَّ ج وَأْتَمِرُوا بَيْنَكُم بِمَعْرُوفٍ ج

دو ان کو معاوضہ ان کا - اور فیصلہ کرو آپسمیں معروف کے ساتھ

اگر وہ حاملہ ہوں تو حمل کے وضع ہونے تک ان کو خرچ دو - اگر وہ حمل کے وضع ہونے کے بعد تمہارے لئے دودھ پلائیں تب بھی ان کو اجر دو - اور اس بات کا فیصلہ آپس میں معروف کے مطابق کر لو - کہ اتنا خرچ ہو گا - اور یہ دیا جائے گا (۲) اس کے یہ بھی معنی ہیں کہ بچے کے متعلق ایک دوسرے کو نیک مشورہ دیتے رہو -

وَإِن تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهُ أُخْرَىٰ

اور اگر تم سختی کرو تو دودھ پلائے اسے کوئی اور عورت

اور اگر تم آپس میں سختی سے کام لو - تو بچے کو کوئی اور عورت دودھ پلائے

تَعَاسَرْ کے معنے آپس میں ایک دوسرے سے سختی کرنے کے بھی ہیں -

لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ ط

چاہیئے کہ خرچ کرے صاحب وسعت اپنی وسعت کے مطابق

اور اگر کوئی کشایش والا ہو - تو کشایش سے خرچ کرے - ایسا نہ ہو کہ خود تو وہ لکھ پتی ہو - اور عورت کو دو تین روپے خرچ کے لئے دیدیا کرے ؛

وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنفِقْ

اور جس پر تنگ کیا گیا رزق اس کا وہ خرچ کرے

مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ ط لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا

اس سے جو اسے اللہ نے دیا - نہیں تکلیف دیتا اللہ کسی جان کو

إِلَّا مَا آتَاهَا ط

مگر جو دیا ہے اس کو

اگر کسی کو تنگی ہے تو جس قدر خدا نے اسکو دیا ہے - اسی کے مطابق وہ عورت کو دے - اللہ تکلیف میں کسی کو نہیں ڈالتا - اتنا ہی حکم دیتا ہے - جتنا کسی کو اس نے دیا ہے ؛

سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا ؏

قریب ہے کہ اللہ کردے بعد تنگی کے آسانی

اگر تم خدا کے لئے تنگی کو برداشت کرلوگے تو اس تکلیف کے بعد وہ تمہارے لئے آسانی پیدا کر دیگا ؎

رکوع دوم

(۲۵-اپریل سنہ ۱۹۱۴ء)

کوئی شخص دنیا میں بادشاہ کے حکم کا انکار نہیں کرتا۔ اور نہ اس کا مقابلہ کرسکتا ہے۔ اور جو کوئی کرتا ہے۔ وہ تباہ و برباد ہوجاتا ہے۔ بادشاہ تو الگ رہا۔ اس کے ادنیٰ ادنیٰ ملازمین کا کوئی مقابلہ نہیں کرتا تحصیل کا چپڑاسی یا گاؤں کا نمبردار جو حکم لائے۔ وہ بھی لوگوں کو ماننا پڑتا ہی اگر کوئی نمبردار کا مقابلہ کرے۔ تو وہ اس گاؤں میں آرام سے نہیں رہ سکتا۔ اور اگر پٹواری کی حکم عدولی کرے۔ تو وہ اس کی زمینوں کو تباہ کردیتا ہے۔ اور لوگوں کے اس کی زمین پر ایسے حقوق پیدا کرا دیتا ہے کہ وہ اس سے چھین لیتے ہیں۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک پٹواری سے کسی شخص کی لڑائی ہوگئی۔ اور اس نے اسے ایسا نقصان پہنچایا۔ کہ غلط اندراجات سے اس کی جائداد ہی تباہ کردی۔ شریر لوگ ایسا کر لیتے ہیں۔ گو بعد میں سزا ہی پالیں۔ افسر تو الگ رہے بعض دفعہ تو اپنے ماتحت بھی مخالف ہوکر سخت دکھ کا باعث ہوجاتے ہیں ؛ ایک نمبردار احمدی ہوگیا تھا۔ اس وجہ سے اس کی رعایا نے اس سے ہر ایک قسم کے تعلق قطع کرلئے۔ حتیٰ کہ چوہڑوں نے پاخانہ اٹھانا چھوڑ دیا۔ سقوں نے پانی بھرنا ترک کردیا۔ نمبردار صاحب کو یہ سب کام خود کرنے پڑتے تھے۔ لیکن انھوں نے کسی کی پرواہ نہ کی ؎

اگر گاؤں کا نمبردار مخالف ہوجائے۔ تو گاؤں میں رہنا مشکل ہوجاتا ہے۔ اور اگر تحصیلدار مخالف ہوجائے۔ تو اس تحصیل میں رہنا مشکل ہوتا ہے۔ اور اگر ڈپٹی کمشنر سے مخالفت ہوجائے۔ تو اس ضلع میں رہنا آسان نہیں اور اگر لفٹننٹ گورنر سے مخالفت ہو۔ تو اس صوبہ میں رہایش کی کوئی صورت نہیں ہوسکتی۔ پھر اگر بادشاہ سے مخالفت ہو۔ تو اس ملک میں ہی رہنا ناممکنات سے ہوجاتا ہے لیکن اس میں پھر بھی یہ گنجائش ہوتی ہے کہ اگر ایک گاؤں میں تکلیف ہے، تو دوسرے میں چلا جاتا ہے۔ یا اگر ایک ملک میں رہنا مشکل ہے تو کسی اور ملک کی راہ اختیار کرلی جاتی ہے۔ پولٹیکل مجرم ایک گورنمنٹ سے دوسری گورنمنٹ میں جان بچانے کے لئے چلے جاتے ہیں۔ اور اگر تمام دنیا کا ایک ہی بادشاہ ہوتا۔ تب بھی بہت سی ایسی جگہیں تھیں۔ جہاں لوگ چھپ کر گذارہ کرسکتے تھے۔ جیسا کہ لوگ بھیس بدلکر اپنے ملکوں میں رہتے ہیں۔ اور ان کا پتہ معلوم نہیں ہوسکتا یا پہاڑوں اور جنگلوں میں چلے جاتے ہیں لیکن خدا کا مقابلہ کرنیوالا کسی جگہ نہیں چھپ سکتا جنگلوں میں ہو یا غاروں میں۔ میدانوں میں ہو یا پہاڑوں میں دشتوں میں ہو یا بیابانوں میں۔ غرضیکہ جہاں کہیں بھی کوئی ہو۔ خدا سے چھپ نہیں سکتا اور نہ وہ اللہ کے عذاب سے بچ سکتا ہے ؎

وَكَأَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ أَمْرِ

اور کتنی بستیاں ہیں کہ جنھوں نے سرکشی کی اپنے رب کے حکم

رَبِّهَا وَرُسُلِهِ فَحَاسَبْنَاهَا حِسَابًا

سے اور اس کے رسولوں سے پس حساب لیا ہم نے ان کا حساب

شَدِيدًا وَعَذَّبْنَاهَا عَذَابًا

سخت اور عذاب دیا ان کو عذاب

نُّكْرًا

سخت۔

کئی بستیاں ایسی تھیں۔ جنھوں نے اللہ کی باتوں کا انکار کیا اور اس کے رسول کے حکموں کو نہ مانا۔ پس اللہ نے بڑا سخت حساب لیا ان سے اور بڑا سخت عذاب ان کو دیا ؎

لوگوں نے مسئلہ طلاق پر بڑے بڑے اعتراض کئے کہ اس میں یہ نقص ہے یہ خرابی ہے۔ لیکن خداوند تعالیٰ نے اس کے بدلے ان کو ایسے عذاب میں مبتلا کیا کہ مجبوراً انھیں طلاق کو صحیح ماننا پڑا اور اس کو رائج کرنے کے بغیر کوئی چارہ نہ دیکھا۔ اور اپنے عمل سے ثابت کردیا کہ خدا کا حکم ہی ٹھیک ہے اور ہم نے صرف بکواس کی تھی۔ وہ قومیں جو ذرا ذرا سی بات پر طلاق کو جائز رکھتی ہیں

جن میں طلاق سوائے عورت کے زنا کرنے کے ہو ہی نہیں سکتی تھی ایسی عذاب میں گرفتار ہوئیں کہ تنگ آگئیں۔ میں نے پچھلے دنوں ایک اخبار میں پڑھا ہے۔ کہ امریکہ میں ایک عورت نے ۳ خاوندوں سے طلاق لی ہے۔ اور طلاق لینے کی وجوہات بھی عجیب در عجیب لکھی ہیں۔ مثلاً یہ کہ میں چونکہ ناول لکھ کر شائع کرنا چاہتی ہوں۔ اور میرا خاوند مجھے شائع نہیں کرنے دیتا۔ اس لئے مجھے طلاق ملنی چاہیئے۔ پس اس پر جج نے فیصلہ کر دیا۔ کہ ہاں طلاق ہونی چاہیئے تو بالکل طلاق نہ دینے والے ایسی ایسی سخت خطرناک خرابیوں میں مبتلا ہوئے۔ کہ انھیں طلاق کے لئے قانون بنانا پڑا ؛

فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ

پس چکھا انھوں نے وبال اپنے کام کا اور تھا

عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ہ

انجام ان کے کام کا گھاٹا

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ چونکہ انھوں نے ہمارے حکم کی مخالفت کی تھی۔ اس لئے ان کو اس کے بدلے عذاب چکھنا پڑا۔ یہ ایک پیشگوئی تھی۔ کہ جو قوم مسئلہ طلاق سے جو کہ اسلام نے پیش کیا ہے۔ انکار کریگی وہ دکھ پائے گی۔ دیکھو اہل یورپ نے اعتراض کر کے کتنا دکھ پایا۔ اور پہلے جس منہ سے اعتراض کرتے تھے۔ اسی سے اسکو درست بتلاکر شرمندہ ہونا پڑا ؛

ایک ہائی کورٹ کے جج کی نوٹ بک سے کسی شخص نے نقل کر کے شائع کیا تھا کہ اسلام کا طلاق کا مسئلہ بہت درست مسئلہ ہے۔ وہ لکھتا ہے۔ میں حیران ہوں۔ کہ جب ایک مرد اور عورت اپنی رضامندی سے مل سکتے ہیں۔ تو کیوں علیحدہ ہوتے وقت ایک دوسرے کے حقوق کو مدنظر رکھ کر علیحدہ نہیں ہو سکتے ؛

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ

تیار کیا اللہ نے ان کے لئے عذاب سخت

فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۖ ۚ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛ

پس تقویٰ کرو اللہ کا اے دانا لوگو! جو کہ ایمان لائے ہو

ان لوگوں کے لئے خدا نے سخت عذاب تیار کیا ہے۔ پس تم تقویٰ اختیار کرو۔ اے دانا لوگو! جو ایمان لا چکے ہو۔ یعنی خدا نے جو شرائط طلاق کے لئے بیان فرمائے ہیں۔ ان کو پورا کرو۔ تاکہ تم عذاب سے بچ جاؤ ؛

قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۙ رَّسُوْلًا

تحقیق اتارا اللہ نے تمہاری طرف ذکر رسول جو

يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ

پڑھتا ہے تم پر آیات اللہ کی کھولنے والی تاکہ نکالے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ

ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے

الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ

ظلمات سے نور کی طرف

اے مومنو! اللہ تعالیٰ نے تو تمہارے لئے سامان شرف اُتارا ہے اور وہ ہمارا رسول ہے۔ جو تم پر ہماری آیات پڑھتا ہے۔ جو ہر ایک امر کو کھولنے والی ہیں تاکہ وہ تم کو قسم قسم کی ظلمات سے نکال کر نور کی طرف لیجائے۔ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی کام تھا۔ کہ ان لوگوں کو جو اپنی خیالی شریعتوں اور خیالی ڈھکوسلوں پر مصر ہو رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی پاک شریعت پر چلا دیا شریعت اسلامیہ سے پہلے جس قدر قانون رائج تھے۔ ان سب کی بنا ظنیات پر تھی۔ اسلام نے آکر حقیقی ترقی کا راہ بتایا۔ اور نور یعنے روشنی کی طرف لوگوں کو ہدایت کی۔ اور وہ علیٰ وجہ البصیرت اللہ تعالیٰ کے احکام پر عامل ہوئے۔ اور جن لوگوں نے ان قوانین کو نہ مانا۔ وہ اب تجربہ کے بعد اس طرف آرہے ہیں ؛

ہمارے مخالف نزول مسیح پر بڑی بڑی بحثیں کرتے ہیں۔ لیکن مجھے تعجب آتا ہے۔ کہ بحث کرنے کی یہ بات ہی کونسی ہے۔ اس کا تو قرآن نے کئی جگہ فیصلہ کر دیا ہوا ہے یہاں فرماتا ہے قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا۔ اللہ نے تمہاری طرف ذکر اتارا۔ اور ذکر سے مراد رسول ہے۔ اور ساتھ اس کا کام بتایا۔ کہ وہ اللہ کی آیات تم پر پڑھتا

ہے۔ تو کیا رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم آسمان سے اُترے تھے ؀ زمین سے کسی چیز کے نکلنے کو بھی نزول کہتے ہیں۔ مثلاً عربی زبان میں نزول السماء کے معنے خروج النبات۔ یعنی کھیت نکل آیا کے بھی کئے ہیں۔ نزول کے معنے بہت دسیع ہیں۔ لیکن لوگ کوتاہیٔ عقل اور علم عربی کی ناواقفیت کی وجہ سے اس کے معنے آسمان سے اُترنے کے ہی سمجھ بیٹھے ہیں ؀

جاہل اور کم سمجھ لوگوں کو تماشہ دیکھنے کا بڑا شوق ہوتا ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جن دنوں گورداسپور مقیم تھے۔ میں وہاں کی لائبریری میں اخباریں پڑھنے کے لئے جایا کرتا تھا۔ ایک دن ہم چند آدمی وہاں بیٹھے ہوئے اخباریں پڑھ رہے تھے۔ کہ ایک بوڑھا آدمی بڑی لمبی اور سفید ڈاڑھی والا سر پر عمامہ رکھے اور جُبہ پہنے ہوئے بھاگا ہوا آیا۔ اور ہم سے پوچھنے لگا۔ کہ یہاں سے تم نے بندر والے کو گذرتا ہوا تو نہیں دیکھا۔ مجھے اس وقت بڑا تعجب ہوا۔ کہ یہ آدمی معلوم تو قاضی القضاۃ ہوتا ہے۔ لیکن بندر کو دیکھنے کے لئے اسقدر بیتاب ہے۔ کہ دوڑتے دوڑتے سانس بھول گیا ہے۔ مجھے یہ یاد نہیں کہ ہم نے اس کو کیا جواب دیا۔ لیکن وہ جواب سنکر پھر اسی طرح بڑے زور سے دوڑتا ہوا بندر والے کی تلاش میں چلا گیا۔ تو وہ لوگ جو مسیح کے آسمان سے اُترنے کے منتظر ہیں۔ ان کی سوائے تماشہ دیکھنے کے اور کوئی غرض نہیں۔ وہ صرف یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ آسمان سے مسیح دو فرشتوں کے کندھوں پر اُترے گا۔ اور ہم یہ عجیب نظارہ دیکھیں گے ؀

جن کی نظریں گندی اور ناپاک ہوتی ہیں۔ وہ ہر ایک بات خواہ وہ مذہبی ہو یا دنیوی۔ اس کو تماشہ کے رنگ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ مسلمان جس قدر اسلام سے دور ہوتے گئے۔ اتنی ہی بیہودہ اور لغو باتیں بناتے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول کریم ؐ کے سامنے قسم اُٹھا کر کہتے ہیں۔ کہ ابن صیاد دجّال ہے۔ حالانکہ وہ نہ کانا تھا۔ اور نہ اس کے پاس کوئی عجیب دغریب گدھا تھا۔ لیکن رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کی تردید نہیں فرمائی۔ بلکہ ایسا جواب دیا۔ جس سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ ممکن ہے یہ ہو اور ممکن ہے یہ نہ ہو۔ اب لوگ کہتے ہیں۔ جب تک کوئی کانا دجال ایسے گدھے پر جس کے اتنے اتنے لمبے کان ہوں۔ سوار ہو کر نہ آئے۔ ہم دجال نہیں مانتے ؀

یہ لوگ مسیح کو مسیح کر کے اور دجال کو دجال کر کے نہیں مانتے۔ بلکہ تماشہ دیکھنے کے شائق ہیں۔ یہ قوم کے گھٹنے اور تباہ ہونے کے نشانات ہیں۔ مسلمانوں میں تعویذ۔ گنڈے اور اسی قسم کی اور لغو باتیں تماشہ بینوں ہی کی ایجاد ہیں۔ جب کوئی قوم تباہ ہونے لگتی ہے۔ تو وہ حقیقت کو چھوڑنا شروع کر دیتی ہے ؀

وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا

اور جو ایمان لائے اللہ پر۔ اور عمل کرے اچھے

يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ

داخل کریگا اس کو جنت میں بہتی ہیں

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ

اسکے نیچے نہریں ہمیشہ رہنے والے اسمیں ہمیشہ

اور جو حقیقت پر قائم ہوتے ہیں یعنی جو ایمان لائے اللہ پر۔ اور نیک کام کئے۔ ان کو اللہ بہشتوں میں داخل کرے گا۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ؀

قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا

تحقیق اچھا دیا اللہ نے اسے رزق

اللہ نے ان کو اچھی طرح رزق دیا۔ وہ رزق جو کہ نہ اتنا کم ہو کہ انسان بے ... ہو جائے۔ اور نہ اتنا زیادہ ہو کہ انسان متکبر ہو کر خدا کو چھوڑ ...

اَللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ

اللہ وہ ہے جس نے بنایا سات آسمانوں کو

وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ

اور زمین سے مثل ان کے

اللہ وہ ہے۔ جس نے بنایا سات آسمانوں اور سات زمینوں کو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کے معنے یہ کئے ہیں کہ سات زمینیں ساتھ ساتھ ہی ہیں۔ اور درمیان میں سمندر ہیں۔ ان معانی کے لحاظ سے تو صاف بات ہے۔ جغرافیہ والوں نے بھی زمین کے سات ہی حصے کئے ہیں۔ پھر اس لئے بھی کہ اس جگہ ہی سات زمینوں کا ذکر ہے۔ ورنہ ہر جگہ قرآن میں ایک ہی زمین کا ذکر آیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک ہی زمین کے سات حصے ہیں۔ اور اگر سات زمینیں اور سات آسمان ہوں۔ تو اس میں کیا حرج ہے سائنس والوں نے اب ایسے ستارے معلوم کئے ہیں۔ کہ جن کی روشنی لاکھوں سال کے بعد ہم تک پہنچ سکی ہے۔ جبکہ روشنی جیسی تیز رفتار چیز اتنی مدت کے بعد ہم تک پہونچی ہے۔ تو کیا معلوم ہماری نظروں سے پوشیدہ کیا کیا عالم ہیں۔ ممکن ہے۔ کہ اسی دنیا کی طرح چھ اور نظام ہوں۔ اس لئے اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ؛

يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوٓا

اترتا ہے اس کا امر ان میں تاکہ تم جانو

أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے ؛

اللہ تعالیٰ کے احکام ان کے درمیان اترتے ہیں۔ اور کوئی ان کا توڑنے والا نہیں۔ کہیں چلے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کی ہی حکومت دیکھو گے جس سے معلوم ہو گا۔ کہ اللہ تعالےٰ ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ کوئی ایسی جگہ نہیں۔ جہاں اس کا حکم نہ ہو۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ کوئی زمین کے نیچے چلا جائے یا غاروں میں چھپ جائے۔ جنگلوں میں رہے یا پہاڑوں میں رہے۔ اللہ تعالےٰ کی جزا و سزا سے نہ محروم رہ سکتا ہے۔ نہ بچ سکتا ہے ؛

وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ۚ

اور یہ کہ اللہ نے احاطہ کیا ہوا ہے ہر چیز کو علم میں

اسی طرح اللہ تعالےٰ کے امر کا مشاہدہ کر کے تم معلوم کرو گے کہ اس کا علم ہر ایک چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے ؛

کوئی آدمی خفیہ سے خفیہ رنگ میں کام کرے یا گوشۂ تنہائی میں رہے۔ خدا اس کی ہر ایک بات کا علم رکھتا ہے ؛

دیکھو قادیان کتنی چھوٹی بستی تھی۔ کیا کسی کے وہم وگمان میں بھی آسکتا تھا۔ کہ یہ گمنام ونشان ایک دن دنیا کے کونے کونے تک مشہور ہو جائے گی۔ اور کیا یہ کسی انسان کی نظر اسبات پر پڑ سکتی تھی کہ یہاں کوئی لائق شخص پیدا ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر کسی کی نظر پڑتی۔ تو بڑے بڑے شہروں پر پڑتی۔ دنیا میں بڑا شہر لنڈن تھا۔ اور پھر پیرس۔ اور مسلمانوں کے نزدیک مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ جائے امید ہو سکتے تھے۔ یا ہندوستان میں بمبئی اور کلکتہ اور پنجاب میں دہلی یا لاہور میں کسی قابل آدمی کے پیدا ہونے کا گمان کیا جا سکتا تھا۔ اور اگر تمام دنیا کی طاقتیں اکٹھی ہو کر تلاش کرتیں تو بھی ہرگز معلوم نہ کر سکتیں۔ لیکن خداوند تعالےٰ نے مرزا غلام احمد صاحب (خدا کے ہزاروں ہزار درود ان پر ہوں) کو کیسا ڈھونڈا۔ اور کیسی نگاہ رکھی۔ کہ ایک گوشۂ تنہائی میں بھی ہمارا بندہ رہتا ہے ؛

یہ قادیان وہی مقام ہے۔ جہاں ضرورت کے وقت کوئی چیز نہ مل سکتی تھی۔ نہ دوکانیں تھیں۔ اور نہ کوئی اچھی عمارت تھی۔ جس وقت خدا نے اپنی قدرت کا یہاں اظہار کیا۔ تو کل دنیا میں قادیان کی شہرت ہو گئی۔ بعض خط غیر ممالک سے ایسے آتے ہیں۔ کہ ان پر یہی لکھا ہوتا کہ "قادیان۔ انڈیا" اور وہ یہاں آجاتے ہیں بعض خطوط پر قادیان ضلع امرت سر۔ لاہور اور ہندوستان لکھا ہوتا ہے۔ لیکن وہ بغیر کسی قسم کی رکاوٹ کے یہاں آجاتے ہیں کیونکہ قادیاں کی شہرت تمام دنیا کے کناروں تک پہونچ چکی ہے ؛

خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ ہمارے امر جس وقت اترتے ہیں۔ تو ہماری اسوقت دو غرضیں ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ ہماری قدرت کا اور دوسرے یہ کہ علم کا اظہار ہو۔ گوشۂ تنہائی میں چھپے ہوئے ایک انسان کو اٹھانے سے جو سب دنیا کی مخالفت کے باوجود دنیا میں نامور اور مشہور ہو جاتا ہے۔ خدا کے علم و قدرت کا ایک ثبوت ہوتا ہے ؛

جب ہم علیم ہیں۔ تو تم کو ہم سے ڈرنا چاہیئے۔ اور اس بات کی امید رکھنی چاہیئے۔ کہ اگر تم اچھے کام کرو گے۔ تو ان کا بدلہ

تمہیں ضرور دیا جائے گا۔ ہم کسی کے اعمال کو ضائع نہیں کرتے ۔ وہ لوگ جو گاؤں میں رہائش رکھتے ہیں۔ اگر گورمنٹ سے خطاب لینا چاہتے ہیں۔ تو گاؤں کو چھوڑ کر بڑے بڑے شہروں میں آبستے ہیں۔ کیونکہ گاؤں میں جو وہ خدمات کرتے ہیں۔ ان کا علم گورنمنٹ کو نہیں ہوتا۔ لیکن خدا تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ ہم سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ جہاں اور جس حالت میں کوئی نیک کام کرو گے وہ ضائع نہ ہو گا۔ اور اگر لوگ ہمارے ارادہ کو روکنا چاہیں گے تو نہیں روک سکینگے۔ پس تم ہم سے تعلق پیدا کرو۔ تا دنیا میں حقیقی راحت حاصل کر سکو ؁

سُورۃ تحریم

رکوع اوّل

(۲۶ اپریل ۱۹۱۴ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ

اے نبی کیوں ترک کرتا ہے اس چیز کو جو

اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ ۚ

حلال کی اللہ نے تیرے لئے

اِن آیات میں اللہ تعالیٰ نے بعض ان روزانہ معاملات اور ضروریات کے متعلق احکام بیان فرمائے ہیں۔ کہ جن کے بغیر بڑے بڑے فتنے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور خانہ جنگیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ ہندوؤں میں ایک قوم بجا بھرا ہے۔ ان کے جو بڑے عابد لوگ ہوتے ہیں وہ ہر سال اپنے اوپر کوئی نہ کوئی چیز حرام کر لیتے ہیں۔ ایک سال بھنڈی کھانا چھوڑتے ہیں۔ تو دوسرے سال بینگن اور تیسرے سال شلجم۔ اسی طرح کئی چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیتے ہیں۔ اور اسے عبادت اور نیکی سمجھتے ہیں۔ پھر بڑھتے بڑھتے یہاں تک نوبت پہونچ جاتی ہے۔ کہ صرف دال ہی رہ جاتی ہے۔ اور اس میں ... یوں کرتے ہیں۔ کہ ایک سال گھی ڈالنا ترک کر دیا۔ دوسرے سال ... ڈالنی۔ پھر ہلدی۔ غرض اس طرح اس میں سے بھی کچھ نہ کچھ چھوڑتے جاتے ہیں۔ اور یہ سب کام بہت بڑی عبادت خیال کیا جاتا ہے ؁

ہمارے حضرت خلیفۃ المسیح ۱ (خدا ان پر بڑی بڑی رحمتیں نازل کرے) اس مسجد (مسجد اقصیٰ) سے گھر جا رہے تھے۔ کہ راستہ میں ایک شخص جو اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر رہ چکا تھا۔ آپ سے ملا اور کہنے لگا میں آپ سے ایک بات پوچھنی چاہتا ہوں آپ نے فرمایا کہو کہنے لگا کہ میں نے سنا ہے کہ مرزا صاحب (حضرت مسیح موعود علیہ السلام) بڑے اچھے کھانے پلاؤ زردے وغیرہ کھاتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا۔ ہمارے ہاں پلاؤ کھانا جائز ہے۔ اس نے کہا۔ سنا ہے۔ بادام روغن بھی استعمال کر لیتے ہیں وہ ہندو ڈپٹی کہنے لگا۔ کہ کیا فقر لوگوں کو بھی یہ چیزیں استعمال کرنی جائز ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں فقر (فقیر سے مراد ہے) لوگوں کو بھی جائز ہیں۔ اس پر بہت حیران ہوا۔ اور کہا کہ بس یہی پوچھنا تھا ؁

میرا مطلب اس بات سے یہ ہے کہ لوگوں نے طیبات کو حرام کر دینا ایک عبادت سمجھ رکھا ہے۔ اسلام سے پہلے اس کا بہت رواج تھا۔ مسیحی پادری بھی شادی ترک کر دیتے تھے۔ رومن کیتھلک اب تک ایسا کرتے ہیں۔ اسلام سے پہلے تو ان میں یہ بھی رواج تھا کہ صوف کے کپڑے پہنتے ناخن نہ اُترواتے۔ نہانے سے پرہیز کرتے۔ میلے رہتے۔ اور اسے عبادت خیال کرتے۔ دوسروں کو دیکھ کر مسلمانوں میں بھی یہ مرض پیدا ہو گئی ہے۔ اور بعض لوگ طیب اور حلال اشیاء کو اپنے اوپر حرام کر لیتے ہیں حالانکہ مسلمانوں میں کسی حلال چیز کا ترک کرنا ہرگز جائز نہیں ہاں دین کا اگر کوئی معاملہ ہو تو وہ الگ بات ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے گائے کے گوشت کو چھوڑنے کا پیغام صلح میں اعلان کیا۔ لیکن آپ کا چھوڑنا اور نہ چھوڑنا برابر تھا۔ کیونکہ آپ نے لکھا تھا۔ کہ ہم تمہارے رشیوں منیوں کو سچا جانتے ہیں۔ تمہاری کتابوں کو سچا سمجھتے ہیں ہمارے نبی (محمد صلے اللہ علیہ وسلم) کو مان لو۔ اور کہو وہ سچا نبی تھا۔ اور پھر تم کو اس کے ماننے میں کسی قسم کا شک نہ ہو کیونکہ جب ہم تمہارے رشیوں کو مانتے ہیں۔ تو تمہیں بھی ہمارے رسُول کو ماننا چاہیئے۔ یہ تو برابر کی بات ہوگی۔ لیکن ہم نے ...

کرینگے ۔ کہ گائے کا گوشت کھانا چھوڑ دینگے ۔ بھلا کوئی خیال کرے ۔ کہ جبکہ کوئی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہیگا ۔ تو کیا وہ گائے کا گوشت نہیں کھائے گا ۔ وہ تو خود کھائیگا ۔ حضرت مسیح موعود نے ایک لطیف پیرایہ میں ہندوؤں کو ان کی زیادتی پر آگاہ کر دیا ۔ کہ وہ ہم سے کیسا سلوک کرتے ہیں ۔ اور ایک ایسی راہ بتائی ۔ کہ اگر وہ اس پر چل پڑتے ۔ تو آخر پورے طور پر ان کے مسلمان ہو جانے میں کوئی شک نہ تھا ۔ پھر اگر کچھ مدت کے لئے اُن کی خاطر گائے کے گوشت کا استعمال چھوڑ دیا جاتا ۔ تو کچھ ہرج نہ تھا ۔ کیونکہ نتیجہ یہ نکلتا تھا ۔ کہ سب کے سب ہندو مسلمان ہوتے تھے ۔ اگر کوئی کہے ۔ کہ آپ بھی تو وید کو سچا مانتے ہیں ۔ حساب تو برابر رہا ۔ اس کا جواب یہ ہے ۔ کہ قرآن کریم آخری کتاب ہے ۔ اور سب پہلی تعلیموں کی ناسخ ہے ۔ اس لئے انجام کار ہنود کو قرآن کریم پر غور کرنا پڑتا تھا ۔ اور جب وہ بغض سے علیحدہ ہو کر اس پر غور کرتے تو ضرور اس کی سچائی کے قائل ہو جاتے ۔ مگر افسوس کہ ہندو لیڈر اس صلح پر آمادہ نہ ہوئے ٭

غرضیکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گائے کے گوشت کے چھوڑنے میں دینی غرض تھی ۔ نہ کہ دنیوی ۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تکذیب سے لوگوں کو باز رکھنا اور آپ کو سچا منوا کر اس کے بدلے گائے کا گوشت چھوڑنا کونسی بُری بات ہے ۔ دوسرے جب وہ رسول کریم (صلے اللہ علیہ وسلم) کو مان لینگے ۔ تو اس سے خود ہی پرہیز نہ کرینگے چنانچہ نو مسلم بڑی خوشی سے گائے کا گوشت کھاتے ہیں ٭

مُسلمانوں نے اب بدبختی کی وجہ سے مذہبی احکام کو دنیاوی اغراض کے لئے چھوڑنے کی تیاریاں شروع کر دی ہیں ۔ کہتے ہیں کہ اگر ہندو اُردو زبان کو تمام ہندوستان کی زبان تسلیم کریں تو ہم گوشت چھوڑ دیتے ہیں ۔ کونسلوں میں ہمارے تناسب کا لحاظ رکھا جائے ۔ تو ہم گائے کا گوشت کبھی استعمال نہیں کرینگے ۔ انہوں نے مذہب کو دنیاوی اغراض اور لالچوں کے حصول کا ذریعہ بنا لیا ہے ٭

اسلام نے ایسی باتوں سے منع کیا ہے ۔ آج کل لوگوں نے گائے کے گوشت کے متعلق قرآن شریف کی آیتیں لے کر بحثیں کی ہیں ۔ اور حدیثوں سے یہ ثابت کرنے کی کوشش ہے کہ گائے کا گوشت کھانا منع ہے ۔ جن دنوں اس کے متعلق لکھا جا رہا تھا تو میرے دل میں یہی آیت ڈالی گئی تھی ۔ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ ج ۔ یعنے اے رسول جو چیز حلال کی گئی ہے ۔ اس کو حرام مت قرار دو ۔ یعنی اس کو ترک کر دینے کا عہد نہ کرو ۔ ورنہ یہ خیال بھی نہیں آسکتا ۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کسی حلال چیز کو حرام کہدیں ۔ اس سے یہی مراد ہے ۔ کہ اپنے لئے اسے حرام کی طرح نہ کرو ۔ کہ کبھی استعمال ہی نہیں کرنی ۔ پس کسی حلال چیز کا ہمیشہ کے لئے ترک کر دینا جبکہ کوئی مانع بھی نہ ہو ۔ منع ہے ۔ آپ کو یہ حکم کیوں دیا گیا ۔ اس کا باعث یہ ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم شہد کو بہت پسند کیا کرتے تھے ۔ اور اس کے پسند کرنے کی وجہ یہ تھی ۔ کہ خدا تعالیٰ نے اس کی تعریف قرآن شریف میں فرمائی ہے ۔ آپ کی بیوی زینب کے پاس بہت عمدہ شہد تھا ۔ عرب میں چونکہ گرمی سخت ہوتی ہے ۔ وہ آپ کو دوپہر کے وقت شہد کا شربت پلاتیں ۔ بعض دوسری بیویوں کو یہ بُرا معلوم ہُوا ۔ کہ آپ کا یہ ان سے خاص تعلق کیوں ہے ۔ اور یہ بشریت کا تقاضا تھا ۔ انہوں نے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کہا ۔ کہ آپ کے مُنہ سے مغافیر (ایک قسم کی گوند) کی بُو آتی ہے ۔ آپ نے فرمایا ۔ کہ میں نے تو اس کو استعمال نہیں کیا ۔ البتہ شہد پیا ہے شاید شہد کی مکھیاں مغافیر پر بیٹھی ہوں ۔ اسوجہ سے شہد میں بھی اس کی بُو مل گئی ہوگی ۔ اب میں شہد کو ترک کر دوں گا ۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ۔ کہ ہم نے اس کو حلال کیا ہے ۔ تم ترک نہیں کر سکتے ۔ یہ ہو سکتا ہے ۔ کہ کوئی چیز استعمال نہ کی جاوے ۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی حلال چیز کو ترک کرنے کا عہد کر لیا جائے ٭

تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ

تو چاہتا ہے رضامندی اپنی عورتوں کی

رسُول کریم ؐ کو خداوند تعالےٰ فرماتا ہے ۔ کہ تو عورتوں کی رضامندی کے لئے ایک چیز کو چھوڑنا چاہتا ہے یہ کبھی نہیں ہو سکتا ۔ دیکھو ! رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا عظیم الشان انسان ہے ۔ اور پھر وہ اپنی بیویوں کو راضی کرنے کے لیے جن سے بڑھ کر دنیا میں کوئی کسی کا دلی وفادار ۔ مونس ۔ رفیق نہیں ہو سکتا ۔ ایک چیز کو ترک کرنا چاہتا ہے ۔ لیکن حکم ہوتا ہے ۔ کہ تم ایسا نہیں کر سکتے ۔ لیکن آج کل مسلمان ہندوؤں کو خوش

کرنے کے لئے اور ان کو اپنا دوست اور رفیق بنانے کے لئے ایک دینی معاملہ کو ترک کرتے برتتے ہوئے ہیں۔ یہ آیت بالکل ان پر چسپان ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ بھی ہندوؤں کو خوش کرنے کے لئے ایک حلال چیز کو ترک کرنے پر آمادہ ہیں۔ آپ نے بھی ایک حلال چیز چھوڑی۔ اور منشا یہ تھا۔ کہ بعض بیویوں کی ناراضگی کو دور فرمادیں۔ مگر اللہ تعالےٰ نے آپ کو منع فرمایا۔ بظاہر گو یہ معاملہ چھوٹا سا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن قرآن شریف نے اس حکم کے ذریعہ سے مسلمانوں کو بہت سے تنزلوں سے بچاکر ترقی کی شاہ راہ دکھادی ہے۔ کیونکہ جب کسی قوم میں طیبات کو چھوڑنے کی عادت ہوتی ہے۔ تو وہ دوسری قوموں سے ترقی میں پیچھے رہ جاتی ہے۔ اور جب وہ خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ کل اشیاء سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتی ہے۔ تو بہت سے علوم اسے حاصل ہوتے ہیں۔ اور تہذیب میں بھی بہت بڑھ جاتی ہے ٭

اس آیت کے متعلق عیسائیوں نے بڑے بڑے اعتراض کئے ہیں۔ اور مسلمان مفسروں نے بھی بڑی بڑی غلطیاں کی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو آپ کی ایک بیوی نے ماریہ رضؓ سے صحبت کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ جو ان کی لونڈی تھیں۔ آپ نے اس بیوی کو کہا کہ کسی کو بتانا نہ۔ میں آیندہ ہرگز ایسا نہ کروں گا۔ لیکن یہ بالکل بکواس ہے۔ ماریہ آپ کی لونڈی تھیں۔ جو کہ ایک عیسائی بادشاہ نے بطور ہدیہ پیش کی تھیں۔ نہ کہ آپ کی بیوی کی لونڈی۔ پھر اس بہانہ کی کیا ضرورت تھی دوسری جو روایات پیش کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک کے یہ الفاظ ہیں کہ رسول کریمؐ نے کہا۔ کہ میں ام ابراہیم سے کبھی صحبت نہ کرونگا اب بتاؤ۔ کہ اگر آپ کے ہاں ماریہ سے بیٹا بھی پیدا ہوچکا تھا (کیونکہ تبھی تو آپ نے کہا کہ میں ام ابراہیم سے آئندہ تعلق نہ رکھوں گا) تو پھر آپ کو اپنی کسی بیوی سے یا دوسرے لوگوں سے پوشیدہ رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ جب بیٹا پیدا ہوچکا تھا تو سب جانتے تھے۔ کہ آپ نے ماریہ کو اپنی زوجیت میں لیا ہے پھر کس بات کا خوف تھا۔ کہ آپ نے کہا۔ کہ کسی سے کہنا نہیں میں ام ابراہیم سے آیندہ تعلق نہیں رکھوں گا۔ یہ تو آپ تب فرماتے کہ گناہ ہوتا۔ اور پوشیدہ ہوتا۔ جبکہ بات ظاہر تھی۔ اور لڑکا بھی پیدا ہوچکا تھا۔ تو آپ کے چھپانے کی کیا غرض تھی۔ پس اس روایت کے لفظ ہی اس کی تردید کرتے ہیں۔ کہ یہ وجہ نہیں ہوسکتی ٭

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

اور اللہ غفور رحیم ہے

خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ ان کو راضی نہ کرنے کی وجہ سے جو کسی حلال کو حرام کرواکر راضی ہونا چاہتے ہیں۔ لڑائیاں بھڑائیاں اور جھگڑے ہونگے۔ تم کو اللہ ان کے بدنتائج سے بچاسکتا ہے۔ لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ ان کے خوش کرنے کے لئے تم ایک چیز کو چھوڑدو ٭

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ

تحقیق مقرر کردیا ہے اللہ نے تمہارے لئے کھولنا تمہاری قسموں کا

وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ

اور اللہ تمہارا دوست ہے۔

اللہ تعالیٰ قسموں کے متعلق حکم دےچکا ہے۔ اس کے مطابق انسان کفارہ دے کر ایسی قسم کو توڑدے۔ جنہیں کوئی حلال چیز حرام ہوتی ہو خدا تعالےٰ تو تمہارا دوست ہے۔ وہ تمہیں تباہی سے بچانا چاہتا ہے ٭

وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ

اور وہ علیم حکیم ہے۔

اور اللہ تعالیٰ علیم ہے۔ یعنی جانتا ہے۔ حکیم ہے۔ اس کی سب باتیں حکمت والی ہیں۔ پھر کیونکر ہوسکتا ہے۔ کہ وہ ایسے احکام دے جو نامناسب اور کچے ہوں۔ وہ تو علم کے ماتحت نہایت پکے احکام نازل فرماتا ہے ٭

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ

اور جب پوشیدہ رکھی نبی نے طرف بعض اپنی بی بی کے

حَدِيْثًا ج فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ

ایک بات ۔ پس جب بتا دیا اس کو اور ظاہر کردیا اُسے

اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ

اللہ نے اسپر جتا دیا اس سے بعض اور اعراض کیا

عَنْۢ بَعْضٍ ج فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ

بعض سے ۔ پس جب خبر کی اس سے بی بی کو ! اس نے کہا

مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ط قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ

کس نے بتایا ہے تجھ کو یہ ۔ کہا مجھے بتایا ہے علیم

الْخَبِيْرُ ۝

خبیر نے

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک بات کسی بیوی سے پوشیدہ بیان کی ۔ اس نے آگے بیان کردی ۔ اللہ تعالےٰ نے رسول کریم کو بتادیا ہے آپ نے جب اس سے پوچھا ۔ تو اس نے کہا ۔ کہ آپ کو کس نے بتایا فرمایا کہ مجھے اللہ علیم و خبیر نے بتایا ہے ۔ اور کون بتانے والا ہے ؛

بہت لوگ راز نہیں رکھ سکتے ۔ راز ایک امانت ہوتی ہے ۔ جو شخص راز کو ظاہر کرتا ہے ۔ وہ خائن ہوتا ہے ۔ کیونکہ ایک شخص کسی کو امین سمجھ کر اپنی راز کی بات بتاتا ہے ۔ لیکن اگر وہ کسی اور سے بیان کردے ۔ تو اس شخص کو نقصان اُٹھانا پڑتا ہے ؛

عورت و مرد کے تعلقات تو بہت گہرے ہوتے ہیں ۔ ہر وقت کا تعلق ہوتا ہے ۔ اگر وہ ایک دوسرے کے راز کو افشاء کریں تو کام چل ہی نہیں سکتا ۔ اس لئے نصیحت فرمائی ۔ کہ ایسا نہیں کرنا چاہیئے ۔ گو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرمایا ہے ۔ مگر حکم عام ہے ۔ سب خاوندوں اور بیویوں کو نصیحت کی ہے ۔ بلکہ اس سے ترقی کر کے دوست اور بھائی بھی اس حکم کے ماتحت آجاتے ہیں ۔ کہ جب انکو کوئی راز کی بات بتائی جائے ۔ تو اس کا کسی کے آگے اظہار نہ کریں

ورنہ دنیا میں خطرناک فساد پھوٹ پڑے گا ؛

لیکن ہر ایک بات میں افراط و تفریط کو مدنظر رکھنا چاہیئے ۔ اگر کسی کو کوئی یہ کہے ۔ کہ میں فلاں آدمی کو قتل کردوں گا ۔ تو گو یہ راز ہے لیکن اس کو چھپانا نہیں چاہیئے ۔ کیونکہ اس کے چھپانے سے نقصان پہونچ سکتا ہے ۔ لیکن جس راز کے چھپانے سے نقصان نہ ہو ۔ اسکو ہرگز ظاہر نہیں کرنا چاہیئے ۔ کیونکہ اگر کسی امین کے پاس امانت رکھی جائے ۔ تو اس کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں ہے ۔ کہ اس کو خرچ کرتا پھرے ۔ اسی طرح راز جب کہ ایک امانت ہے ۔ تو کسی کو کیا حق ہے ۔ کہ اس کو پھیلاتا پھرے ۔ اِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ سے لے کر ایک علیحدہ معاملہ ہے ۔ اس کا پہلے واقعہ سے کوئی تعلق نہیں خدا تعالیٰ نے یہ نہیں بتایا ۔ کہ وہ کیا بات تھی ۔ اس میں بھی ایک لطیفہ ہے ۔ اور وہ یہ کہ چونکہ رازداری . . . کی تعلیم تھی ۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے بھی رازداری کی ۔ اور صرف اتنا فرمادیا ۔ کہ کوئی بات تھی ۔ اب لوگ اس بات کی تلاش کرتے ہیں ۔ مگر جب خداوند تعالیٰ نے نہیں بتائی تو وہ کس طرح دریافت کرسکتے ہیں ؛

اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ج

اگر تم دونوں اس سے توبہ کرلو طرف اللہ کے پس جھک گئے ہیں تمہارے دل

وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ

اور اگر مدد کروگی اس کے خلاف تو تحقیق اللہ وہ ہے

مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ج

جو اس کا دوست ہے، اور جبرئیل اور صالح مومنین

وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۝

اور فرشتے بعد اس کے مددگار ہیں ؛

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ۔ کہ اگر تم دونو یعنی وہ جس نے یہ بات بیان کی ۔ اور وہ جس نے یہ بات سُنی ۔ توبہ کرو تو بہت اچھا ہے اور تمہارے دل تو پہلے سے ہی اس طرف مائل ہیں ۔ لیکن اگر باز نہ آؤ گی ۔ اور ہمارے رسول کے خلاف ایک دوسرے کی

مدد کروگی۔ تو اللہ تعالیٰ کسی کی پروا نہیں کرتا۔ نبی کو کسی بی بی کی پروا نہیں۔ اللہ اس کا مددگار ہے۔ جبرائیل اس کا مددگار ہے۔ نیک بندے اس کے مددگار ہیں۔ اور فرشتے اس کے مددگار ہیں ؞

یہاں خداوند تعالیٰ نے جبرائیل کی مدد الگ بیان فرمائی ہے اور فرشتوں کی الگ۔ اس کی حکمت ہے۔ یہ اصل میں چار مددیں الگ الگ ہیں (۱) اللہ کی مدد وہ ظاہر ہی ہے (۲) جبرائیل کی مدد۔ اس کی یہ مدد ہے۔ کہ یہ اسوقت خوشخبری لاتا ہے۔ جبکہ انسان تکلیف میں ہوتا ہے۔ جب خداوند تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری آجاوے۔ کہ یہ تکلیف دور ہو جائے گی۔ تو کتنی بڑی مدد ہوتی ہے (۳) مومنوں کی مدد۔ ان کی مدد جنگوں اور لڑائیوں میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہی (۴) ملائکہ کی مدد ان کی مدد یہ تھی۔ کہ لڑائیوں میں مومنوں کے دلوں کو تقویت دیتے اور حوصلے بندھاتے۔ اور دوسروں کے دلوں پر رعب ڈال دیتے تھے ؞

عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ

قریب ہے کہ اس کا رب اگر یہ طلاق دے تم کو کہ بدل دے اسکو

اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ

بیویاں اچھی تم سے مسلمان ایمان والی

مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ

فرمانبرداری کرنیوالی۔ توبہ کرنیوالی۔ عبادت کرنیوالی۔ روزے رکھنیوالی

ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ۝

بیوائیں اور کنواریاں

قریب ہے۔ کہ اگر وہ تم کو طلاق دیدے تو اللہ تم سے اچھی بیویاں عطا کردے۔ جو کہ ایمان والی۔ فرمانبرداری کرنے والی۔ توبہ کرنیوالی عبادت کرنیوالی۔ روزے رکھنے والی۔ بیوائیں اور کنواریاں ہونگی ؞ سٰٓئِحٰتٍ۔ سائح کے معنے ہوتے ہیں بہ پڑا۔ یہ پانی کی نسبت استعمال ہوتا ہے۔ اس جگہ اس کے کئی معنے ہیں (۱) ہجرت کرنے والیاں جو اپنے وطن چھوڑ آئیں۔ گویا ایک جگہ سے دوسری جگہ بہ گئیں۔ اس لئے مہاجرات کو سٰٓئِحٰت فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب بیویاں مہاجرات تھیں۔ (۲) جنگل میں عبادت کے لئے چلے جانے کو بھی سیحان کہتے ہیں۔ اس لئے سٰٓئِحٰت کے معنے عبادت کرنے والیاں (۳) روزہ دار کے بھی معنے ہیں۔ چونکہ مسافر کے پاس زاد کم ہوتا ہے۔ اس لئے روزہ دار کو بھی سائح کہتے ہیں کیونکہ وہ فاقہ کش ہوتا ہے ؞

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ

اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو بچاؤ اپنی جانوں کو

وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ

اور اپنے اہل کو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان

وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ

اور پتھر ہیں۔ اس پر مقرر ہیں ملائکہ سخت

شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ

زور والے۔ نہیں نافرمانی کرتے اللہ جو حکم کرے انکو

وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝

اور کرتے ہیں جو ان کو حکم دیا جاتا ہے۔

مومنو! تمہارا فرض ہونا چاہیئے۔ کہ اپنی جانوں اور اپنے گھروالوں کی اصلاح کرو اور اپنے آپ کو بھی اور اپنے اہل کو بھی اس آگ سے جس میں لوگ اور پتھر ڈالے جائینگے۔ بچاؤ۔ اس آگ پر ملائکہ مقرر ہیں۔ جو ایسے نہیں ہیں۔ کہ لوگوں کی آہ وزاری سُنکر پسیج جائیں۔ بلکہ وہ پوری طرح نگہانی کرنیوالے ہیں۔ اور ان کو جو کچھ اللہ کہے گا۔ اس کی ذرا بھی نافرمانی نہیں کرینگے۔ اور وہی کرینگے جو ان کو اللہ تعالیٰ حکم دیگا ؞

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرنی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ جس طرح حکم
دے۔ اسی طرح کرنا چاہیئے۔ جو شخص ایسا کرے گا۔ وہ مَلک بن
جائے گا ؀

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا

اے وہ لوگو! جو کافر ہوئے مت عذر کرو

اَلْیَوْمَ ط اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا کُنْتُمْ

آج کے دن سوائے اس کے نہیں کہ بدلا دئے جاؤ جو

تَعْمَلُوْنَ ع

تھے تم کرتے۔

بیمار کا عذر بیماری میں نہیں سنا جاتا۔ اسوقت تو اس کو کڑوی دوا
پلا ہی دی جاتی ہے۔ اور علاج کر کے ہی چھوڑا جاتا ہے۔ بس
تم نے جو کچھ کیا ہے۔ اس کا بدلہ ضرور دیا جائے گا ؀
خدا مجھ کو اور آپ سب کو ملائکہ صفت بنائے۔ آمین ؀

رکوع دوم

(۲۷- اپریل سنہ ۱۹۱۳ء)

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰهِ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو جھکو طرف اللہ کی

کُفر کی سزا جب ایسی سخت ہے۔ جو کہ پچھلے رکوع میں بیان کی گئی
ہے۔ تو ہر ایک شخص اس طرف متوجہ ہوتا ہے۔ کہ ہم اب کیا کریں
ہم تو کفر کر چکے۔ بس پچھلے گناہوں کی سزا سے بچنے کی کیا صورت
ہو سکتی ہے؟ اس کے متعلق مختلف مذہبوں نے مختلف صورتیں
بتائی ہیں۔ لیکن اسلام نے اس کا یہ طریق بتایا ہے:۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا تُوبُوا اِلَی اللّٰهِ - کہ اگر تم پچھلے گناہوں کی سزاؤں
سے بچنا چاہتے ہو۔ تو اس کی صورت یہ ہے۔ کہ تم اللہ کی طرف
جھک جاؤ ؀

تَوْبَةً نَّصُوْحًا ط

خالص توبہ

صحابہ نے اسکے معنے خالص توبہ کے کئے ہیں۔ ایک توبہ ایسی ہوتی
ہے کہ توبہ کرتے والے کو شک ہوتا ہے۔ کہ شاید میں یہ گناہ نہ
چھوڑ سکوں۔ دوسرے ایک انسان بدکاری کرتا تھا۔ پھر وہ ایسی
بیماری میں مبتلا ہو جائے۔ جس سے اس کے قویٰ ہی مارے گئے
ہوں۔ تو پھر وہ توبہ کرے۔ یہ مجبوری کی توبہ ہے۔ توبہ در اصل وہی
ہے۔ جو باوجود طاقت رکھنے کے کی جائے ؀
پس ایسی توبہ کرو۔ جس کو پھر نہ توڑو۔ حدیث میں اس کے یہی معنے
آئے ہیں۔ کہ انسان ایسی توبہ کرے۔ کہ اس کے بعد دوبارہ توبہ
کرنے کی ضرورت نہ ہو (یعنے پھر گناہ نہ کرے) حضرت عمرؓ نے
اس کے معنے یہ فرمائے ہیں۔ کہ ایسی توبہ کرے۔ کہ اس کے بعد پھر
گناہ نہ کرے ؀
خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ اگر ایسی توبہ کرو گے۔ تو پھر کیا ہوگا

عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّکَفِّرَ عَنْکُمْ

قریب ہے کہ تمہارا رب ڈھانپ دے تم سے

سَیِّاٰتِکُمْ وَیُدْخِلَکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ

تمہارے گناہوں کو۔ اور داخل کرے تم کو جنت میں بہتی ہیں

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لا

جن کے نیچے نہریں ؀

پھر یہ ہوگا کہ خدا تعالیٰ تمہارے گناہوں کا کفارہ کر دیگا۔ اور تم
کو کسی اور کفارہ کی ضرورت نہ ہوگی۔ کسی اور شخص کا کفارہ کچھ
کام نہیں آسکتا۔ تم خود اپنے اوپر موت وارد کر لو۔ یعنی گناہوں
کو دیکھ کر ایسے نادم اور پریشان ہو جاؤ۔ کہ گویا موت ہی آگئی

ہے۔ تو یہی تمہارے گناہوں کا کفارہ ہے۔ اگر اس طرح کی توبہ کروگے۔ تو قریب ہے۔ کہ تمہارا رب تمہارے گناہوں کو مٹا دے اور تم کو جنتوں میں داخل کرے۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہونگی لوگوں کو بہت غلطی لگی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ زبان سے توبہ کر لی اور سب گناہ معاف ہو گئے۔ لیکن توبہ کے یہ معنے نہیں ہیں۔ توبہ کہتے ہیں۔ لوٹ آنے کو۔ یہ لفظ اُب سے نکلا ہے۔ جس کے معنے ہیں لوٹ آنا۔ بس توبہ وہی قبول ہو سکتی ہے۔ جبکہ انسان اپنے گناہوں کو ترک کر کے خدا تعالےٰ کی طرف لوٹ آئے۔ اور اپنے نفس کی ہی نہیں۔ بلکہ دوسروں کی بھی اصلاح کرے۔ قرآن شریف میں تاب کے ساتھ عام طور پر اصلح کا بھی حکم ہے۔ جسکے معنے ہیں۔ اصلاح کرے۔ اصلاح دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک اپنے نفس کی۔ دوسری دوسرے لوگوں کی۔ بس توبہ وہی قبول ہوگی۔ جبکہ انسان پہلے گناہ ترک کرے۔ پھر ان گناہوں کے جو اثرات دل پر ہو چکے ہیں۔ ان کو دور کرے۔ پھر دوسروں کو بھی گناہوں سے بچانے کی کوشش میں لگ جائے۔ صرف زبان سے کہدینا "میری توبہ میری توبہ" کافی نہیں ؛

دیگر مذاہب والوں نے اسلام کی توبہ پر بڑے بڑے اعتراض کئے ہیں۔ کہ اس سے گناہ بڑھتے ہیں۔ اور گناہ کرنے کی جرأت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن یہ ان کا غلط خیال ہے۔ اسلام کی توبہ بہت مشکل ہے۔ کیونکہ جب تک تمام بدیوں اور برائیوں سے اپنے آپ کو ہٹا نہ لیا جائے۔ اور اپنے نفس کو پاک کرنے کے علاوہ دوسروں کی اصلاح کی بھی کوشش نہ کی جائے۔ اسوقت تک توبہ توبہ ہی نہیں۔ بس سب سے زیادہ مشکل اور پھر سب سے زیادہ مفید اور سچا علاج تو وہ توبہ ہی ہے۔ جو اسلام نے بتائی ہے ؛

يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ

اس دن نہ رسوا کریگا اللہ نبی کو اور نہ ان کو جو

اٰمَنُوْا مَعَهٗ ج

ایمان لائے ساتھ اس کے

اسدن اللہ تعالےٰ نہ اپنے نبی کو اور نہ اس کے ساتھ والوں کو رسوا کرے گا۔ کیونکہ اگر مومنوں سے کوئی غلطی ہوئی بھی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ ان کی سچی توبہ کی وجہ سے اسے معاف فرما دیگا اب انہیں کوئی باز پرس نہ ہوگی ؛

تمام صحابہ رضہ پہلے ہی سے مسلمان نہ تھے۔ بعض ان میں سے پہلے شراب پیتے تھے۔ اور طرح طرح کے گناہوں میں مبتلا تھے تمام دنیا سے زیادہ بدیاں ملک عرب میں تھیں۔ ہندوستان کے شاعر تو خیالی معشوق کو مدنظر رکھ کر شعر بناتے ہیں۔ لیکن عرب میں بڑے بڑے سرداروں کی بیویوں اور لڑکیوں کے نام لے لے کر اپنے عشق کا اظہار کیا جاتا تھا۔ اہل عرب میں بعض نیک صفات بھی تھیں مثلاً مسافروں کے ساتھ وفادار اور مہمان نواز تھے۔ لیکن اور بہت سی برائیاں بھی تھیں۔ جنھوں نے ان کی نیکیوں کو چھپایا ہوا تھا پھر باوجود اس کے جب وہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تو ایسی تبدیلی کی۔ کہ اگر کوئی شخص جس نے ان کو پہلی حالت میں دیکھا ہو اسوقت دیکھتا۔ تو ہرگز نہ پہچان سکتا۔ یہ صحابہ عرب کے لوگوں میں ہی نکلکر آئے تھے۔ لیکن انہوں نے اپنے نفسوں پر موت وارد کی۔ اس لئے خدا نے ان کے گناہوں کو ڈھانپ دیا۔ اور ان کو ہر ایک قسم کی عزت اور توقیر عطا فرمائی ؛

نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ

نور ان کا دوڑتا ہوگا آگے ان کے

وَبِاَيْمَانِهِمْ

اور دائیں ان کے

وہ ایسے دلیر اور بہادر ہو گئے۔ کہ کسی طرح سے کسی سے نہ رک سکتے تھے۔ دشمن جمع ہو کر ان کے راستے میں روک … ڈالتے۔ لیکن ان کو مقابلہ کی راہ مل ہی جاتی۔ سیاست ہو یا مذہبی مباحثہ ہو یا علمی گفتگو۔ غرض کہ کسی قسم کا مقابلہ ہو۔ تاریکی میں سے ان کے لئے نور پیدا کر دیتا۔ اور وہ اس … پر غالب آجاتے۔ یہی معنے ہیں۔ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ کے۔ یعنے وہ ٹھوکریں نہیں کھاتے تھے

يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا

کہیں گے اے ہمارے رب پورا کر ہمارے لئے نور اپنا

وہ اس معاملہ میں بڑے حریص تھے۔ دنیاوی چیزوں کے لئے نہیں۔ بلکہ اللہ تعالےٰ کے نور کی ان کو حرص تھی ٭

بعض لوگ ذرا سی نیکی کر کے فخر کرنے لگتے ہیں۔ چند دن نماز پڑھ کر خیال کرتے ہیں۔ کہ ہم نے بڑا کام کیا۔ اب ہمیں اور کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے ایک آدمی کو کہا۔ تم تبدیلی کرو۔ وہ کہنے لگا۔ کہ کیا میں نیک نہیں ہوں۔ میں نے کہا۔ کہ زیادہ نیک بنو۔ لیکن اس کو میری یہ بات پسند نہ آئی۔ اور بار بار یہی کہتا رہا۔ کہ کیا آپ مجھے بد سمجھتے ہیں۔ آخر اسے ایسی ٹھوکر لگی۔ کہ اس کو قادیان چھوڑنا پڑا ٭

صحابہ ایسے تھے۔ کہ اس نور پر جو کہ ان کو دیا گیا تھا۔ اکتفا نہیں کرتے تھے۔ اور کہتے تھے۔ کہ خدایا ہمیں اور زیادہ نور دو۔ اور زیادہ نور دو۔ دنیادار لوگ دنیا کے لئے حریص ہوتے ہیں۔ لیکن اللہ کے بندے دین کے لئے حرص رکھتے ہیں۔ اور وہ ایسی تدابیر سوچتے ہیں۔ جن سے اس نور میں ترقی ہو۔ اور

وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

اور بخشدے ہم کو۔ تحقیق تو اوپر ہر چیز کے

قَدِيْرٌ ۝

قادر ہے ٭

کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب اگر ہماری ترقی میں ہمارا کوئی گناہ روک ہے تو اس کو ہٹادے۔ اور ہم کو پوری ترقی عطا فرما کیونکہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ اور تو سب کچھ کر سکتا ہے ٭

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ

اے نبی مقابلہ کر کفار

وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَ

اور منافقین سے اور تشدد کر ان پر اور

مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اور بُرا ہے ٹھکانا

اے نبی کفار اور منافقین کا مقابلہ کرو۔ اور خوب سختی سے مقابلہ کرو۔ یہ جہنم میں جائینگے۔ اور ان کے لئے یہ بہت بُرا ٹھکانا ہوگا ٭

ہمیں آج کل لوگ لکھتے ہیں۔ کہ فلاں آدمی نے یہ کہا ہے آپ اس کے جواب میں ایسا نہ کہیں اور نرمی سے جواب دیں لیکن ہم کہتے ہیں کہ اس طرح فتنہ بڑھتا ہے ٭

خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ دین کے معاملہ میں ہرگز نرمی نہیں کرنی چاہیئے ٭

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا

بیان کی اللہ نے مثال واسطے ان کے جو کافر ہوئے

امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ۭ كَانَتَا

بیوی نوح کی اور بیوی لوط کی جو کہ تھیں

تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ

زیر دو بندوں کے ہمارے صالح بندوں سے

فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ

پس خیانت کی انہوں نے۔ پس نہ فائدہ ہوا ان کو اللہ کی طرف سے

شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ

کچھ اور کہا گیا کہ داخل ہو جاؤ آگ میں ساتھ داخل ہونیوالوں کے

اللہ تعالیٰ کافروں کی مثال بیان فرماتا ہے کہ نوح اور لوط کی بیویاں اگرچہ

ہمارے نیک بندوں کے ماتحت تھیں۔ لیکن انھوں نے خیانت کی۔ اس لئے ان کو نیک آدمیوں کے پاس رہنا کوئی فائدہ نہ پہنچا سکا۔ اور ہم نے ان کو کہا کہ جاؤ جی جہنم میں رہو ؎

نوح علیہ السلام کی بیوی ان کو مجنون کہتی تھی۔ اور لوگوں کو کہتی تھی کہ یہ پاگل ہو گیا ہے۔ بعض کم عقل عورتیں ایسا کہدیا کرتی ہیں کہ میرا خاوند تو پاگل ہو گیا ہے۔ اس کو کسی بات کی سمجھ ہی نہیں۔ اسی طرح لوط علیہ السلام کی بیوی کہتی تھی ؎

لوط علیہ السلام جب عذاب کے آنے کی وجہ سے اس جگہ کو چھوڑنے لگے۔ تو ان کو حکم ہوا تھا۔ کہ پیچھے پھر کر نہ دیکھنا۔ بائبل میں لکھا ہے۔ کہ ان کی بیوی نے پیچھے دیکھ لیا۔ اس لئے وہ نمک کا کھمبا بن گئی۔ مگر میں نے ایک کتاب میں دیکھا ہے کہ حضرت لوط ع کی بیوی کا تعلق اپنے بھائیوں سے زیادہ تھا۔ اور وہ عذاب کی خبر سنکر باوجود ممانعت کے ان کے پاس اطلاع دینے کو گئی اور آخر عذاب میں مبتلا ہو گئی ؎

اس ترتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ نوح علیہ السلام کی بیوی کی نسبت حضرت لوط کی بیوی نرم دل تھی۔ اس کا قصور اسی قدر بیان فرمایا ہے۔ کہ کانت من الغابرین ؎

ان دونوں مثالوں سے یہ مراد ہے۔ کہ کافر باوجود نیک ذرائع ہونے کے پھر بھی ان سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ اور ہمارے نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) کی قدر نہیں کرتے۔ چونکہ نیک ذرائع کے موجود ہوتے ہوئے نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کی بیویوں نے اپنی اصلاح نہ کی۔ اس لئے وہ اپنے خاوندوں کے نبی ہونے کے باوجود بھی عذاب سے بچ نہ سکیں ؎

کفار کو بتایا ہے۔ کہ حضرت نوح اور لوط علیہما السلام کی صحبت سے جب ان کی بیویوں نے پورا فائدہ نہ اٹھایا۔ تو خدا تعالیٰ کے عذاب سے بچ نہ سکیں۔ بلکہ خدا تعالیٰ کے حضور مجرم قرار پائیں۔ اب اگر تم ہمارے نبی کی موجودگی میں پھر قرآن کریم کی موجودگی میں شرارت کرو گے۔ تو تم کو بھی ان کی موجودگی کچھ فائدہ نہ دے گی۔ جب تک کہ ان کے احکام پر عمل نہ کرو گے۔ اور اپنی اصلاح نہ کرو گے۔ تو تم بھی تباہ و برباد ہو جاؤ گے ؎

وضرب اللہ مثلا للذین امنوا
اور بیان کی اللہ نے مثال ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے

امرات فرعون ۔ اذ قالت رب
عورت فرعون ۔ جب کہا اس نے اے میرے رب
ابن لی عندک بیتا فی الجنۃ و
بنا میرے لئے اپنے پاس گھر جنت میں اور
نجنی من فرعون و عملہ و نجنی
نجات دے مجھے فرعون اور اس کے عمل سے اور نجات دے
من القوم الظلمین ۝ و مریم ابنت
مجھے قوم ظالموں سے اور مریم بنت
عمران التی احصنت فرجہا فنفخنا
عمران جس نے حفاظت کی اپنے فرج کی ۔ پس پھونکا ہم نے
فیہ من روحنا و صدقت بکلمت
اس میں اپنی روح کو اور تصدیق کی اپنے احکام
ربہا و کتبہ و کانت من القنتین
اپنے رب کی اور کتابوں اسکی کی ۔ اور تھی وہ فرمانبرداروں میں سے

نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کی بیویوں کی مثال کافروں کی تھی۔ اب اللہ تعالیٰ مومنوں کی مثال بیان فرماتا ہے۔ کہ فرعون اگرچہ شریر تھا۔ لیکن پھر بھی اس کی بیوی دعا کرتی رہتی تھی۔ کہ اے میرے رب میرے لئے جنت میں گھر بنا۔ اور فرعون اور اس کے کاموں اور ان شریروں سے بچا جو کہ فرعون کی قوم سے ہیں۔ یہ اگرچہ فرعون سے سخت بیزار تھی۔ اور اس سے رہائی کے لئے دعائیں کرتی تھی۔ لیکن پھر بھی اس کا تعلق فرعون سے تھا۔ اس لئے اس کا یہ ایمان ادنےٰ درجے کا تھا۔ کیونکہ باوجود فرعون کو برا سمجھنے کے اس نے قطع تعلق نہ کیا۔ لیکن مریم جو عمران کی بیٹی تھی۔ اس نے اپنے سوراخوں کو محفوظ رکھا اس لئے ہم نے اس کی طرف اپنا کلام بھیجا۔ کیونکہ وہ اپنے رب کی

فرمان بردار تھی۔ جو کچھ ہم نے اس کو کہا۔ اس کی اس نے تصدیق کی۔ اور کیوں تصدیق نہ کرتی۔ جبکہ وہ فرمان برداری کرنے والوں میں سے تھی ۔

فرج ۔ سوراخ کو کہتے ہیں۔ یعنی مریم نہ زانیہ تھی۔ نہ جھوٹ بولتی تھی۔ نہ غیبت سنتی تھی۔ نہ بری طرف نگاہ کرتی تھی۔ ان دو عورتوں کو مومنوں کی دو قسموں سے مشابہت دے کر یہ جتایا ہے۔ کہ ایک تو وہ مومن ہوتے ہیں۔ جو دل سے نیک ہوتے ہیں۔ اور خدا کی رضا بھی چاہتے ہیں لیکن جس طرح فرعون کی بیوی ایک کافر کے ماتحت تھی اسی طرح کبھی وہ نفس امارہ سے دب بھی جاتے ہیں۔ گو اس سے بچنے کی دعائیں کرتے رہتے ہیں۔ اور اس درجہ سے جو مومن ترقی کرتے ہیں۔ ان کی مشابہت حضرت مریم سے ہوتی ہے۔ یعنی وہ بکلی گناہوں سے پاک ہو جاتے ہیں۔ اور اپنے تمام سوراخوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ ان آیات کی تفسیر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی مختلف کتب میں خوب کھول کر کھ دی ہے۔ غالباً کشتیٔ نوح میں بھی کی ہے۔ چاہیئے کہ احباب وہاں سے مفصل طور پر دیکھ لیں ۔